ربیع الاول ۱۴۳۹ھ / دسمبر ۲۰۱۷ء

مسلک اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان

ماہنامہ سنی دنیا

بریلی شریف

DECEMBER 2017

نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

چیف ایڈیٹر
مولانا محمد عسجد رضا خاں قادری

ایڈیٹر
مولانا محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

ماہنامہ سنی دنیا میں اشتہار دے کر اپنے کاروبار اور ادارے کو فروغ دیں

Monthly Package Four Colour — ماہانہ پیکیج فور کلر

S. No.	Adv. Space	کوارٹر پیج Quarter Page	ہاف پیج Half Page	فل پیج Full Page	اشتہار کی جگہ	نمبر شمار
1	Back Title Page	4000/-	6000/-	8000/-	بیک ٹائٹل پیج	۱
2	Back Side of Front Title Page	3000/-	4000/-	6000/-	فرنٹ ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۲
3	Back Side of Back Title Page	2000/-	3000/-	5000/-	بیک ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۳

Quarterly Package Four Colour — سہ ماہی پیکیج فور کلر

S. No.	Adv. Space	Quarter Page	Half Page	Full Page	اشتہار کی جگہ	نمبر شمار
1	Back Title Page	10000/-	15000/-	20000/-	بیک ٹائٹل پیج	۱
2	Back Side of Front Title Page	7000/-	10000/-	15000/-	فرنٹ ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۲
3	Back Side of Back Title Page	5000/-	7000/-	12000/-	بیک ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۳

Half Yearly Package Four Colour — ششماہی پیکیج فور کلر

S. No.	Adv. Space	Quarter Page	Half Page	Full Page	اشتہار کی جگہ	نمبر شمار
1	Back Title Page	15000/-	20000/-	30000/-	بیک ٹائٹل پیج	۱
2	Back Side of Front Title Page	12000/-	15000/-	20000/-	فرنٹ ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۲
3	Back Side of Back Title Page	7000/-	10000/-	18000/-	بیک ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۳

Yearly Package Four Colour — سالانہ پیکیج فور کلر

S. No.	Adv. Space	Quarter Page	Half Page	Full Page	اشتہار کی جگہ	نمبر شمار
1	Back Title Page	20000/-	30000/-	50000/-	بیک ٹائٹل پیج	۱
2	Back Side of Front Title Page	15000/-	20000/-	30000/-	فرنٹ ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۲
3	Back Side of Back Title Page	10000/-	15000/-	25000/-	بیک ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۳

Black & White Package any in side Magzine — بلیک اینڈ وائٹ پیکیج رسالہ میں کہیں بھی

S. No.	Adv. Space	Quarter Page	Half Page	Full Page	اشتہار کی جگہ	نمبر شمار
1	Monthly	1000/-	2000/-	3000/-	ماہانہ	۱
2	Quarterly	2000/-	5000/-	7000/-	سہ ماہی	۲
3	Half Yearly	4000/-	7000/-	10000/-	ششماہی	۳
4	Yearly	6000/-	10000/-	15000/-	سالانہ	۴

نوٹ:

۱ تین مہینے کا مطلب کوئی بھی تین مہینے، اسی طرح چھ یا بارہ مہینے کا مطلب کوئی بھی چھ یا بارہ مہینے۔

۲ وقت اور حالات کے پیش نظر اشتہار کی اشاعت مقدم و موخر بھی ہو سکتی ہے۔

۳ پورے اشتہار کی رقم یک مشت جمع کرنی ہوگی۔

Contact: 82 Saudagaran, Dargah Aalahazrat, Bareilly Sharif (U.P.), Pin - 243003, Mob. 9411090486

Account Details: Asjad Raza Khan, SBI A/c No. 10592358910, IFSC Code: SBIN0000597

بیادگار

امام المتکلمین حضرت علامہ مفتی محمد نقی علی خاں قادری بریلوی، اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی، حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی، مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری بریلوی، مفسر اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد ابراہیم رضا خاں قادری بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

زیر سرپرستی سواد اعظم اہل سنت و جماعت آستانۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کا علمی دینی و اسلامی ترجمان

مسلکِ اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان

ماہنامہ سنی دنیا
بریلی شریف

MAHNAMA SUNNI DUNIYA

ربیع الاول ۱۴۳۹ھ / دسمبر ۲۰۱۷ء December-2017

زیر سرپرستی

حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری بریلوی مدظلہ العالی قاضی القضاۃ فی الہند

مدیر اعلیٰ

مولانا محمد عسجد رضا خاں قادری

مدیر

مولانا محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

تزئین کار

عتیق احمد حشمتی (شجاع ملک) آئی ٹی ہیڈ: جامعۃ الرضا
معین اختر رضوی، کمپوزیشن بے آرایم ہیڈ آفس

فی شمارہ ۲۰/روپے | زر سالانہ ۲۵۰/روپے

پاکستان، سری لنکا، بنگلہ دیش سے ۱۰۰۰/روپے | دیگر ممالک ۳۵/امریکی ڈالر

رابطہ کا پتہ: دفتر ماہنامہ سنی دنیا، ۸۲/سوداگران، بریلی شریف، یوپی Cont. Add

MAHNAMA SUNNI DUNIYA
82 Saudagran, Bareilly Sharif (U.P.) Pin - 243003
فون: Cont. No. 0581-2458543, 2472166, 3291453
E-mail:- sunniduniya@aalaahazrat.com
nashtarfaruqui@gmail.com, atiqahmad@aalaahazrat.com
Visit Us: www.aalaahazrat.com, kisjamiaturraza.ac.in, hazrat.org

جلد نمبر ۲ Vol. 2

شمارہ نمبر ۱۲ Issue 12

نوٹ:

رسالہ سے متعلق کسی بھی طرح کی شکایت یا معلومات کے لئے صبح ۹ بجے سے دو پہر ایک بجے تک نیچے دیئے گئے نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں:

9259089193

ہدایت: اہل قلم حضرات سے گزارش ہے کہ سنی دنیا کے لئے مضامین بھیجتے وقت لفافہ پر "برائے سنی دنیا" ضرور تحریر فرمائیں، آپ اپنے مضامین ہمارے ای میل آئی ڈی پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

قانونی انتباہ:

کسی بھی طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف بریلی کورٹ میں قابل سماعت ہوگی۔ اہل قلم کی آراء سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں۔

گول دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر سالانہ ختم ہو چکا ہے۔ برائے کرم آگے کے لئے اپنا زر سالانہ جلد فرصت میں ارسال فرمائیں تاکہ رسالہ آگے بھی جاری رہ سکے۔

ایڈیٹر، پبلیشر، پرنٹر اور پروپرائٹر مولانا محمد عسجد رضا خاں قادری نے فائزہ پرنٹرس بریلی سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ سنی دنیا ۸۲ سوداگران درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی سے شائع کیا۔

Editor, Printer, Publisher & Owner Asjad Raza Khan, Printed at Faiza Printers, Opp. Lala Kashinath Jewelers, Hamidi Complex, Gali Wazeer Ali, Bara Bazar, Bareilly, Published at 82, Saudagran, Dargah Aala Hazrat, Bareilly Shareef (U.P.)

فہرست

اس شمارے میں

مری زبان پہ ذکر شہ انام رہے

مری زبان پہ ذکر شہ انام رہے
یہی وظیفہ مرا صبح اور شام رہے
حضوری ہوگی میسر یہ اہتمام رہے
کبھی درود ہو لب پر کبھی سلام رہے
میں بن کے خوشبو زمانے میں پھیل جاؤں گا
غم حبیب کا دل میں اگر قیام رہے

کھلیں گے باغ تمنا میں رفعتوں کے گلاب
نبی کا عشق دلوں میں اگر امام رہے
در نبی پہ ادب کا یہی تقاضا ہے
زبان بند ہو دل ان سے ہم کلام رہے
بلندیوں کا سفر ختم ہو نہیں سکتا
در حبیب سے رشتے میں گر دوام رہے

دعا ہے اپنی یہی بارگاہ خالق میں
ہمارا کنبہ نبی کا فقط غلام رہے
لبوں پہ نام نبی دل میں ان کی چاہت ہو
اسی پہ قصہ مری زیست کا تمام رہے
نشہ نہ کم ہو محبت کا ان کی اے رحمت
ہمارے ہاتھوں میں ایسا ہمیشہ جام رہے

از: علامہ رحمت اللہ صدیقی، چیف ایڈیٹر مجلہ پیغام رضا، ممبئی

منظومات

از: مولانا سید اولاد رسول قدسی*

رضا کے تھے ہم، ہیں، رہیں گے رضا کے

ہیں وہ اعلیٰ حضرت، سب یہ کہتے رہیں گے — چلو ان کے مسلک پہ، خلد بریں کی
ہیں وہ جان ملت، سب یہ کہتے رہیں گے — ہے روشن ضمانت، سب یہ کہتے رہیں گے

ہے ذات ان کی ایماں کا روشن منارہ — محبت نبی کو کرے زیر کوئی
ہیں وہ رب کی ہمت، یہ سب کہتے رہیں گے — کہاں اتنی طاقت، یہ سب کہتے رہیں گے

بنایا ہمارے دلوں کو مدینہ — رضا کے تھے ہم ہیں رہیں گے رضا کے
ہے احسان و منت، یہ سب کہتے رہیں گے — ہے رب کی عنایت، یہ سب کہتے رہیں گے

بچایا ہمیں مکر باطل سے ہر گام — ہیں ہم پیروکار ان کے مسلک کے، ہے یہ
ہیں وہ حق کی رفعت، یہ سب کہتے رہیں گے — ہماری سعادت، سب یہ کہتے رہیں گے

کتابوں سے ان کی ہوا حق کا اظہار — ہیں وہ حق سپہ حق دار مسلک ہے ان کا
ہیں وہ دین کی عظمت، یہ سب کہتے رہیں گے — ہے حق کی شہادت، یہ سب کہتے رہیں گے

ہزاروں تصانیف کا ہے ذخیرہ — ہمارے لئے ان کے مسلک کا نعرہ
ہے ان کی کرامت، یہ سب کہتے رہیں گے — ہے خوشبوئے راحت، یہ سب کہتے رہیں گے

ہیں لاکھوں مخالف مگر پھر بھی ان کی — ہیں وہ قابل مدح ان کے سبب سے
ہے ہر سمت شہرت، یہ سب کہتے رہیں گے — ہوئی زندہ سنت، سب یہ کہتے رہیں گے

ملی ان کی صبر آزما کاوشوں سے — کن تھا سب باطلوں کو کیا زیر
ہمیں حق کی دولت سب یہ کہتے رہیں گے — ہے اقدام جرأت، یہ سب کہتے رہیں گے

شہ دیں کی بے لوث عشق و محبت — بتا ان کے فتوے کے چلتا انہیں کام
ہے ان میں سرایت، یہ سب کہتے رہیں گے — ہیں ایسی وہ نعمت، سب یہ کہتے رہیں گے

بفضل خدا ہر طرف نسبت کی — رضا کے فقط نام سے نجدیوں کی
ہے ان سے اشاعت، یہ سب کہتے رہیں گے — ہوئی پتلی حالت، سب یہ کہتے رہیں گے

بگاڑے گا کون ان کا حاصل ہے رب کی — ہو دشمن کہ ہو دوست سب کے لئے وہ
انہیں فیض و نصرت، یہ سب کہتے رہیں گے — ہیں علمی ضرورت، سب یہ کہتے رہیں گے

یہ احسان کیا ہے ملک کی زباں پہ — قلم کی چلی ایسی تلوار ان کی
رواں ان کی مدحت، یہ سب کہتے رہیں گے — ہوئی قتل بدعت، سب یہ کہتے رہیں گے

ہیں وہ شان آل رسول خدا کی — ہے دال ان کی علمی تبحر پہ اب بھی
مقدس امانت، سب یہ کہتے رہیں گے — کتابوں کی کثرت، سب یہ کہتے رہیں گے

ہے نام رضا آج حقانیت کی — ہے کوہ گراں کی طرح ان کی تحقیق
منور علامت، سب یہ کہتے رہیں گے — یہی ہے صداقت، یہ سب کہتے رہیں گے

بقیہ ص ۵۳ پر

* مضمون نگار نیو یارک امریکہ میں مقیم اہل سنت حضرات کے امام ہیں۔

اداریہ

عبدالرحیم نشتر فاروقی

مرکزی اور صوبائی حکومت کی دوغلی پالیسیاں-۲

مرکزی بی جے پی حکومت ایک طرف تو گئو ہتیا اور بیف پر پابندی کی وکالت کرتی ہے تو دوسری طرف اپنے زیرِ حکومت صوبوں میں گئو ہتیا اور بیف کو معیشت کے لئے فائدہ مند بتا رہی ہے، ملاحظہ فرمایئے گوا کے ٹورسٹ منسٹر منوہر اجگاؤنکر کا بیان! انھوں نے کہا کہ گوا میں ٹورسٹوں کو ان کی مرضی کے مطابق کھانے پینے کی چیزیں مہیا کرائی جائیں گی، یہاں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سبھی دھرموں کے ماننے والے رہتے ہیں اور اس طرح کی باتیں یہاں کبھی نہیں ہوئیں، مرکزی حکومت کی بیف پر پابندی گوا میں لاگو نہیں ہوگی، میگھالیہ میں بی جے پی کے صدر شیبون لنگڈوہ نے کہا کہ اگر بی جے پی کی حکومت یہاں میں آتی ہے تو وہ صوبے کے غریبوں کا خیال کرتے ہوئے "بیف" کی قیمت گھٹا دے گی، لنگڈوہ نے مزید کہا کہ مرکزی حکومت نے میگھالیہ میں بیف کی خرید و فروخت پر کوئی پابندی نہیں لگائی ہے اور مرکز نے یہاں کبھی بھی "گئو ہتیا" پر پابندی کی بات نہیں کہی ہے، پارٹی نے پہلے ہی یہ واضح کر دیا ہے کہ وہ پورب واتر کے کسی بھی صوبے میں بیف پر پابندی نہیں لگائے گی، انھوں نے کہا کہ "گئو ہتیا" پر پابندی لگانا نہ تو معاشی اعتبار سے صحیح ہے، نہ ہی اسے کوئی قانونی حیثیت حاصل ہے، یہی نہیں بلکہ بی جے پی کے سینٹرل منسٹر کرن رجیجو نے خود اعتراف کیا کہ میں بیف کھاتا ہوں۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ کوئی "کرن رجیجو" کو پاکستان بھیجنے والا اب تک نظر نہیں آیا، کہاں ہیں گئو رکشک دل، بی جے پی اور اس کے وہ دلال جو "گئو ماس" کھانے والوں کو پاکستان بھیجنے کی باتیں کرتے ہیں؟ وہ آخر کیوں منھ میں دہی جمائے اور ہاتھوں میں مہندی لگائے بیٹھے ہیں؟ کرن رجیجو کو کیوں نہیں پاکستان بھیجتے؟ اگر نہیں بھیج سکتے تو کیوں گئو رکشا کے نام پہ یہ پاکھنڈ کیوں؟

گائے وہی ہے، ملک بھی وہی ہے لیکن کہیں "ماں" اور کہیں ووٹ ہتھیانے کا ہتھکنڈا؟ یہ دوغلی پالیسی کیوں؟ کوئی گائیوں سے لدی گاڑیوں کو "پار" کرانے کے لئے "دلالی" وصول کر رہا ہے، کوئی گائے کا گوشت ایکسپورٹ کرکے نوٹ چھاپ رہا ہے، کوئی گائے کا نام لے کر ووٹ چھاپ رہا ہے، اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں، کیوں کہ ایسا کرنے والا مسلمان نہیں، لیکن اگر مسلمان گوشت تو بڑی بات، دودھ کے لئے بھی گائے رکھ لے تو "گئو رکشا" کا بھوت "ننگا ناچ" شروع کر دیتا ہے۔

بی جے پی اور آر ایس ایس کا ایک اور گھنونا چہرہ دیکھئے، ملیالی اخبار "دیشا بھیمانی" کے مطابق کیرالا میں بی جے پی اور آر ایس ایس نے مشترکہ طور پر ایک سوسائٹی تشکیل دی ہے، بی جے پی ضلع صدر "اے ناگیش" سکریٹری "ٹی ایس اُلاس بابو" اور بی ایم ایس ضلع کے سکریٹری "پی وی ہبراہیم" کے ذریعہ قائم شدہ اس سوسائٹی کا مقصد بیف اور مچھلی کے میدان میں کاروبار کرنا ہے، سوسائٹی نے باقاعدہ شہر کے مرکزی مقام "تردم پڑے منڈر" کے پاس اپنا کام شروع بھی کر دیا ہے، سوسائٹی کی اس دوکان پر تھوک میں "گئو ماس" بھی دستیاب ہوگا، خبر کے مطابق آن لائن خریداری کے لئے سوسائٹی جلد ہی ایک موبائل اسٹور بھی شروع کرنے والی ہے، سوسائٹی ایک بڑا ہوٹل بھی کھولنے کا منصوبہ بنا رہی ہے جس میں شائقین کے لئے "گئو ماس" کے مختلف ڈشیں پروسی جائیں گی۔

[نیشنل ہیرالڈ، ۷ جولائی ۲۰۱۵ء]

اس خبر پر کانگریس لیڈر روگ وجے سنگھ نے کہا کہ "گاؤ ماتا" کیرل میں جا کر "ممی" ہو گئیں ہیں، اب سوال یہ ہے کہ جب بی

اداریہ

جے پی اور آر ایس ایس خود ہی ''گئو مانس'' کا کاروبار کر کے نوٹ چھاپ رہی ہیں تو ملک میں ''بیف بندی'' اور ''گئو رکشا'' جیسی کی نوٹنکی کیوں؟

تین طلاق کے ذریعہ مسلم عورتوں پر ہو رہے اپنے مفروضہ ''ظلم و ستم'' کا ڈھنڈورا پیٹ کر پورے ملک کو سر پہ اٹھانے لینے والی مرکزی حکومت جے. این. یو سے اے. بی. وی. پی کے ذریعہ سال بھر سے غائب کردہ ''نجیب'' کو آج تک ڈھونڈ نہیں پائی، نہ یہ پتہ لگا پائی کہ وہ زندہ ہے یا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا؟ اور نا ہی ان لوگوں کی گرفتاری عمل میں آئی جنھوں نے اس پر قاتلانہ حملہ کر کے اسے مارا پیٹا تھا۔

حد تو یہ ہے کہ جمہوریت کا پانچواں ستون کہلانے والا ملکی میڈیا، کھوج کھوج کے اسلامی احکام پر اسلام سے ناواقف جاہلوں کی چوپال لگا کر گھنٹوں گھنٹوں بحث کرانے کا تو روادار ہے، لیکن دہلی کی سڑکوں پر اپنے بیٹے کو آواز لگاتی روتی بلکتی ایک دکھیاری ماں، ایک مصیبت زدہ بہن اسے کبھی نہیں دکھتی، اس سلسلے میں مسلسل کی جارہی دانستہ لاپرواہی کے خلاف سپرم کورٹ نے مرکزی حکومت کو پھٹکار بھی لگائی مگر واہ رے ''پردھان سیوک جی'' اس کا بھی آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا، اپنے اکلوتے بیٹے کی تلاش میں نجیب کی ماں ان کی ناک کے نیچے دربدر بھٹک رہی ہے، تھانے تھانے دھکے کھا رہی ہے، آفس آفس چکر لگا رہی ہے لیکن مودی جی نے پتہ نہیں کون سا چشمہ رکھا ہے کہ انھیں نہ یہ ''مسلم بہن'' نظر ہی نہیں آرہی ہے نہ یہ ظلم و ستم کی ماری ماں۔

اس سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ مودی جی ''مسلم بہنوں'' پر ہورہے ظلم و ستم سے کتنے فکرمند ہیں اور انھیں مسلم عورتوں سے کتنی سچی ہمدردی ہے، سوچئے! کیا صرف تین طلاق دیدینا ہی ان پر ظلم و ستم ہے؟ دن دہاڑے ان کے بیٹوں کو ظالموں کے ذریعہ اغوا کر لیا جارہا ہے، کیا یہ ان پر ظلم و ستم نہیں؟ سڑکوں پر جانوروں کی طرح پیٹ پیٹ کر ان کے شوہروں کو مار دیا جارہا ہے، کیا یہ ان پر ظلم و ستم نہیں؟ سر عام ان کے بھائیوں کو دوڑا دوڑا کر قتل کر دیا جارہا ہے، کیا یہ ان پر ظلم و ستم نہیں؟ مودی جی نے اس ظلم کے خلاف کتنی بار آواز بلند کی؟ کس سپریم کورٹ میں گئے؟ اور اس کی روک تھام کے لئے کون سے نئے قانون بنائے؟

اگر معاملہ عورتوں سے متعلق اسلامی احکام کا ہے تب تو آر ایس ایس، بے جے پی اور خود مودی جی کی راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے اور وہ اس بے خوابی سے پیدا شدہ جنون کے سبب ہزیان کا شکار ہو جاتے ہیں اور اگر معاملہ عورتوں سے متعلق ان کے احکام کا ہو، ان کی ذمہ داریوں کا ہو تو گھوڑے بیچ کر سوجاتے ہیں، حتیٰ کہ سپریم کورٹ کی پھٹکار بھی انھیں خواب خرگوش سے بیدار نہیں کر پاتی۔

''لو جہاد'' کے نام پر بے قصور مسلم نوجوانوں کو مارا پیٹا جارہا ہے، ان پر جبراً ''دھرم پریورتن'' کا الزام لگا کر جھوٹے مقدمے میں پھنسایا جارہا ہے، ان کا مستقبل تباہ و برباد کیا جارہا ہے، ایسا لگتا ہے کہ اس حکومت نے ان بھگوادھاریوں کو ہی کورٹ اور قانون کے سارے اختیارات دے دیئے ہیں، اب یہ جسے چاہیں ''لو جہاد'' کے نام پر مارنے پیٹنے لگیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کیوں کہ پولیس بھی یہی ہیں، مدعی بھی یہی ہیں اور جج بھی یہی، یہ نہ صرف خود کو قانون سے اوپر تصور کرتے ہیں بلکہ اپنے آپ کو سراپا قانون بھی سمجھتے ہیں، ان کی ناپاک ہمت اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ اپنے گھناؤنے کارناموں کی ویڈیو کلپنگ بھی کرتے ہیں اور بے خوف ہو کر اسے سوشل میڈیا پر بھی ڈال دیتے ہیں، لیکن واہ رے پولیس! اسے تو کچھ نظر ہی نہیں آتا، آخر کاروائی کرے بھی تو کس بنا پر؟

بی جے پی اور آر ایس ایس کے نشانے پر صرف مسلمان اور دلت ہی نہیں ہیں بلکہ ان کے ہاتھوں ملک کی نئی نسل کا مستقبل بھی خطرے میں ہے، آئے دن یونیورسٹیز میں نوجوانوں کو خودکشی پر مجبور کیا رہا ہے، جس کی زندہ مثال ''روہت ویمولا'' ہے، سچ بولنے والوں کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا جارہا ہے اس کی تازہ مثال ''گوری لنکیش'' ہیں، عورتوں کی عزت و آبرو سے سرعام کھیلواڑ کیا جارہا ہے اور اگر انھوں نے اس کے خلاف آواز اٹھائی تو ''لاٹھیوں'' سے ان کا سواگت کیا جارہا ہے۔

عورتوں کی عزت و آبرو اس کی حفاظت کو لے کر یوگی حکومت کتنی پابند اور مستعد ہے؟ یہ وہ بنارس ہندو یونیورسٹی میں لڑکیوں پر

اداریہ

بے تحاشہ لاٹھی چارج کر کے ثابت کر چکی ہے، پتہ نہیں یوگی جی کو کیوں اس قدر غصہ آ گیا کہ اپنی عزت وآبرو اور اپنے مان سمّان کی حفاظت کے لئے آواز بلند کرنے والی لڑکیوں پر سیدھے لاٹھی چارج کرادی، آخر کیوں یوگی جی؟ وہ لڑکیاں تو صرف اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کی مانگ کر رہی تھیں، اس پر آپ اس قدر چراغ پا کیوں ہو گئے؟ بے چاری ان لڑکیوں پر لاٹھی چارج کرانے کی کیا ضرورت تھی، زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ دیتے کہ ''دیکھو لڑکیو! میرے دورے حکومت میں یہ ''عزت، آبرو اور مان سمان'' جیسی دقیانوسی باتیں بند کرو، میں ٹھہرا ''یوگی'' مجھے ان فضول کی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں پھر یہ کہ ''میں یوگی ہوں'' اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ سارے ''ہندو یووا واہنی'' والے بھی ''یوگی'' ہو گئے؟ ارے بھئی وہ ''یووا'' ہیں اور سب جانتے ہیں کہ ''یواؤں'' کی اپنی ضرورتیں ہوتی ہیں، ہم تمہارے ''مان سمان'' کے نام پر ملک کے ان ہونہار ''یواؤں کا وکاس'' نہیں روک سکتے اور نا ہی تمہیں اس کی اجازت دے سکتے ہیں کہ تم اس کے خلاف کوئی آواز بلند کرو۔''

ایک تو وہ پہلے ہی سے اپنے ساتھ ہوئی زیادتی کے سبب صدمے میں تھیں، دوسرے رہی سہی کسر آپ کی کرپا سے لاٹھیوں کی برسات نے پوری کردی، اب بے چاری یہ لڑکیاں حیران و پریشان ہیں کہ آخر ہمارے ملک میں اپنے مان سمان اور اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کی بات کرنا کب سے ''جرم'' ہو گیا؟ کیا اب بدقماش لڑکے جو بھی ہمارے ساتھ کریں وہ چپ چاپ سہنا ہوگا؟ اور یہ سب اس پارٹی کی حکومت کی دیکھ ریکھ میں ہو رہا ہے جو سب سے زیادہ عورتوں کے حقوق، ان کی حفاظت کو یقینی بنانے کی وکالت کرتی ہے، انھیں طاقتور بنانے اور برابری کا حق دینے کا ڈھنڈورا پیٹتی ہے، برابری کا حق تو دور اس کے دور حکومت میں عورتوں کے لئے اپنی عزت وآبرو کی بات کرنا بھی ''جرم'' ہو گیا ہے، اس ''ہاتھی کے بھی دانت! کھانے کے اور دکھانے کے اور'' ہیں۔

گورکھپور میں سیکڑوں بے قصور ننھے منّے بچوں کو موت کے گھاٹ اتار کر یوگی جی یوپی کے عوام سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا اب جنتا کے بچوں کی پالن پوشن بھی حکومت کو کرنی پڑے گی؟ تاریخ میں ایسی گھٹیا سوچ رکھنے والا کوئی اور سی ایم نظر نہیں آتا، اب انھیں کون بتائے کہ بھائی صاحب! بیوی بچوں کی پرورش، ان کی دیکھ بھال تو انھیں کی ذمہ داری ہے جس کے بیوی بچے ہیں لیکن اسے وہی سمجھ سکتا ہے جس کے اپنے بھی بیوی بچے ہوں، جس کے خود کے بیوی بچے ہی نہیں، وہ بیوی بچوں کی ذمہ داریوں کو کیا خاک سمجھے گا؟

مذکورہ حقائق نے روز روشن کی طرح یہ بات واضح کردی ہے کہ مسلمانوں سے جڑے جتنے بھی ''ایشوز'' ہیں، یہ حکومت کے اپنے ''ووٹ بینک'' بڑھانے کے لئے ''ہندوؤں'' کو ورغلانے کا صرف ایک حربہ ہیں، لیکن اب عام ہندو بھی اپنی آنکھیں کھول چکے ہیں، صحیح غلط کی پہچان اب انھیں بھی ہونے لگی ہے، اپنے چھلے جانے کا احساس انھیں بھی ہو گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اب نہ تین طلاق کام آرہی ہے، نہ ''گائے ماتا'' دودھ پلا رہی ہیں اور نا ہی رام مندر کی جبیں سائی ہی کوئی فیض پہنچا رہی ہے، بوکھلا کر اب ''تاج محل'' کے محبت بھرے سائے میں پناہ لے کر اسے بھی زہر آلود کرنا چاہ رہی ہے، لیکن جب خود ہندوستان پریمی ہندوؤں نے انھیں لتاڑ لگائی تو کسی قدر ہوش ٹھکانے آئے۔

ایسے سنگین اور مخدوش حالات میں مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ سچے پکے مسلمان بنیں، سختی کے ساتھ شرعی احکام کی پابندی کریں، اللہ اور اس کے رسول کی عظمت ومحبت سے اپنے سینوں کو روشن وتابناک بنائیں، پھر دیکھیں کہ کیسے کامیابیاں ان کے گھروں کی باندیاں بنتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

■■■

ص ۵۸ رکا بقیہ.........................

کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ ہر شاعر ومقرر یا پیر کا استقبال نعرۂ تکبیر سے کیا جانا کس حد تک مناسب ہے؟ نہ یہ بتانے کی ضرورت باقی رہتی ہے کہ نعرۂ تکبیر ورسالت کے ذریعے استقبال کرنے کے لئے شخصیت کا معیار کیا ہونا چاہئے جو لوگ نعرہ لگوانے کے آرزومند رہتے ہیں اور جو لوگ نعرہ لگا کر استقبال کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں، دونوں قسم کے حضرات پہلے اس نکتہ پر غور کریں پھر میدان کار زار میں قدم رکھیں، اسی میں دنیا وآخرت دونوں کی بھلائی ہے۔

(از: نور محمد لکھنوی) ■■■

از مفتی محمد شعیب رضا نعیمی قادری علیہ الرحمہ*

والدین کے ساتھ حسن سلوک

قرآن وحدیث کی روشنی میں

..... گزشتہ سے پیوستہ .....

۶۴۔ وعن سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: لا یَرُدُّ القَضَاءَ الا الدُّعَاءُ ولا یزیدُ فی العُمُرِ الا البِرُّ (الترمذی) یعنی سلمان رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قضا کو صرف دعا رد کرتی ہے اور عمر میں زیادتی صرف والدین کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے۔

۶۵۔ عن عقبۃ بن عامر قال لَقِیتُ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوما فبدرتہ فأخذتُ بیدِہِ او بدرنی. فأخَذَ بیدی فقال: یا عُقبۃ الا أخبرُكَ بأفضل أخلاق أهل الدنیا وأهل الاخرۃ: تصل من قطعك وتُعطِی من حرمك وتعفُو عمَّن ظَلَمَكَ، الا من أراد أن یمدَّ لَهُ فی عُمُرِہِ وَیُبسطَ فی رزقِہِ فَلْیَتقِ اللہ ولیصِلْ ذا رَحِمِہِ [شرح السنۃ] یعنی عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات کی میں نے جلدی سے بڑھ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست مبارک پکڑ لیا یا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری طرف جلدی بڑھے اور میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: اے عقبہ! کیا میں تمہیں دنیا اور آخرت والوں کے بہترین اخلاق کے بارے میں نہ بتا دوں؟ تم اس سے صلہ رحمی کرو جو تم سے قطع کرے اور اس کو دو جو تمہیں محروم کرے اور اس کو معاف کر دو جو تم پر ظلم کرے۔ خبردار! ہوشیار جو چاہتا ہے کہ اس کی عمر میں برکت دی جائے اور اس کے رزق میں وسعت دی جائے تو وہ اللہ سے ڈرے اور اپنے ذورحم سے صلہ رحمی کرے۔

۶۶۔ عن أبی هریرۃ قال: أبو ضمرۃ: لا أعلمُہ الا عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: تعلموا من أنسابکم ما تصلون بہ أرحامکُم فان صلۃَ الرَّحِمِ محبَّۃٌ فی الأهلِ، مثراۃٌ فی المالِ، منسأۃٌ فی الأثرِ [شرح السنۃ] یعنی ابوہریرہ سے ہے انہوں نے کہا: ابو ضمرہ نے بیان کیا کہ میں اس حدیث کو نہیں جانتا مگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جانتا ہوں آپ نے فرمایا: اپنے انساب کو خوب اچھی طرح جانو کہ جس کی وجہ سے تم اپنے رحموں کے ساتھ حسن سلوک کرو، اس لیے کہ صلہ رحمی اپنوں میں محبت ہے مال میں بڑھوتری ہے عمر میں رزق میں برکت ہے۔

۶۷۔ عن ثوبان قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان الرجل لیُحرمُ الرزقَ بالذنبِ یُصِیبُہُ ولا یرد القدر الا الدُّعاءُ ولا یزیدُ فی العُمرِ الا البِرُّ [النسائی وابن ماجہ] یعنی ثوبان سے ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی رزق سے اس گناہ کے سبب محروم کر دیا جاتا ہے جس کو وہ کرتا ہے اور قدر نہیں رد ہوتی مگر دعا سے اور عمر میں برکت نہیں ہوتی مگر والدین کی خدمت سے۔

۶۸۔ وعن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہُ ان رجلا أتاہُ فقال: ان لی امرأۃً وانَّ أمی تأمرنی بطلاقها، فقال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: الوالدُ أوسطُ ابواب الجنۃِ، فان شئت فأضع هذا الباب أو احفظهُ. [ابن ماجۃ والترمذی] یعنی ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ہے ایک شخص نے ان کے پاس آکر عرض کیا میری ایک ہی بیوی ہے اور میری ماں مجھے اسے طلاق دینے کا حکم دیتی ہے تو ابو درداء نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے والد جنت کے درمیانی دروازوں میں سے ایک دروازہ ہیں چاہے تو اس دروازے کو گرا دے یا محفوظ کر لے۔

..... جاری .....

* مفتی صاحب علیہ الرحمہ حضور تاج الشریعہ کے فرزند نسبتی اور مرکزی دارالافتاء کے نائب صدر مفتی تھے۔

از: شہزادۂ حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ ابو حسام محمد عسجد رضا خاں قادری بریلوی*

اقسامِ علم اور ان کے احکام

..... گزشتہ سے پیوستہ.....

سوال: باوجودیکہ دونوں افضل علوم میں سے ہیں لیکن تم ان کے درجوں کو کس طرح علم دین کی بہ نسبت پست درجے میں ڈالے جا رہے ہو؟

جواب: جو حق آدمیوں سے پہچانتا ہے، وہ گمراہی کے جنگلوں میں خاک چھانتا ہے، چاہیے کہ پہلے حق کو جانو تب اس کے اہل کو پہچانو، بشرطیکہ طریق حق کے سالک ہو، اور اگر تقلید پر قانع ہو اور جو درجے فضیلت کے لوگوں میں مشہور ہیں انہیں پر نگاہ رکھتے ہو تو صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے حالات اور ان کے مراتب علیا سے غفلت نہ کرو۔

جن لوگوں کا تم نے ذکر کیا، ان سب کا اتفاق ہے کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سب سے بڑھ کر ہیں اور دین میں کوئی ان کی چال نہیں چل سکتا، نہ کوئی ان کی گرد کو پا سکتا ہے حالانکہ ان کی فضیلت "علم کلام" اور "علم فقہ" سے نہ تھی بلکہ "علم آخرت" اور اس کے طریق کو اختیار کرنے سے غرض تھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۃ الرسول کو دیگر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) پر فضیلت تھی تو زیادہ روزے رکھنے اور کثرت سے نماز پڑھنے اور بہت سی روایات کرنے سے نہ تھی، نہ فتوے دینے اور "علم کلام" کی وجہ سے تھی بلکہ اس وجہ سے تھی جو ان کے سینے میں چھپی تھی، چنانچہ اس کی شہادت سید المرسلین ﷺ نے دی پس تمہیں اس راز کی جستجو میں حرص کرنی چاہیے کہ جوہر نفیس اور در مکنون وہی ہے اور جس کو اکثر لوگ حقیق ہو کر چند اسباب کی وجہ سے (جن کی تفصیل طویل ہے) بڑا جانتے اور تعظیم کرتے ہوئے جاتے ہیں، اس لئے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے اپنے بعد ہزاروں صحابہ رضی اللہ عنہم چھوڑے جو "عارف باللہ" تھے۔

ان کی تعریف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمائی، ان میں سے کوئی ایسا فرد نہ تھا جو "فن کلام" سے واقف ہو، اور سوائے چند ایک کے، ان میں سے کسی نے بھی اپنے آپ کو فتویٰ دینے کے لئے پیش نہیں کیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابہ کبار میں سے تھے جب ان سے کوئی فتویٰ پوچھتا کہتے کہ فلاں کے پاس جاؤ جس نے یہ کام اپنے ذمے لے رکھا ہے اور اس سوال کو اس کی گردن پر رکھو اس جواب میں یہ اشارہ تھا کہ مقدمات اور احکام میں فتوے دینا ولایت اور سلطنت کا تابع ہے اور جب کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال پر ملال ہوا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ علم کے نو حصے مر گئے۔

لوگوں نے عرض کیا کہ آپ یہ قول کیوں فرماتے ہیں: ہم میں تو بڑے بڑے صحابہ موجود ہیں، انہوں نے فرمایا کہ میری غرض علم فتوے اور حکم سے نہیں میرا مقصد علم اللہ تعالیٰ سے ہے تو کیا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مراد "فن کلام" وغیرہ تھا، اگر یہ مراد نہ تھی تو پھر تمہیں کیا ہوا ہے کہ اس علم کی معرفت پر حرص نہیں کرتے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وصال سے علم کے "نو" حصے انتقال کر گئے۔

حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ تھے جنہوں نے کلام اور جدل کا باب مسدود فرمایا اور جب صبیغ نے آپ کے سامنے قرآن کی دو آیات کے ایک دوسرے کے مخالف ہونے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے اسے درہ مارا، اور ملنا چھوڑ دیا اور فرما دیا کہ اے لوگو! اسے چھوڑ دو۔

سوال: کیا علما میں مشہور فقہا اور اہل کلام ہیں؟

جواب: جس چیز سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت ہوتی ہے وہ اور چیز ہے اور جس سے لوگوں میں شہرت ہوتی ہے وہ دوسری چیز

ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہرت تو خلافت کی وجہ سے تھی اور فضیلت اس علم کی وجہ سے ہے جس سے کہ ۹ برس تک آپ کے وصال پر جاتے رہے اور اپنی حکومت میں جو اللہ تعالیٰ کی نزدیکی اور خلق خدا کے ساتھ عدل و انصاف اور شفقت و مروت کا قصد کرتے تھے، اس کی وجہ سے بزرگی تھی اور وہ ایک امر پوشیدہ آپ کے دل میں تھا، آپ کے اور جو ظاہری اعمال تھے وہ تو دوسروں سے بھی ہوتے ممکن ہیں جو جاہ و شہرت اور نام کے طالب و راغب ہوں، غرض کہ شہرت ایسے امر میں ہوتی ہے جو مہلک ہو اور فضل ایسی بات میں ہوتا ہے جو مخفی ہو، کسی کو اس پر اطلاع نہ ہو۔

فقہا اور اہل کلام مثل حکام اور قضاۃ کے ہیں اور کئی طرح کے ہیں، بعض تو ایسے ہیں جنھوں نے اپنے حکم اور فتوے سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقہ کی حفاظت کا قصد کیا اور نام و نمود اور شہرت و عظمت کی خواہش سے دور و نفور رہے، ان کی فضیلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا اور اپنے فتویٰ اور دلیل سے اسی کی ذات مراد لی، اس لئے کہ ہر علم سے عمل مطلوب ہے کیوں کہ علم بھی ایک فعل ہے جبکہ ہر عمل علم نہیں۔

طبیب بھی اپنے علم سے اللہ تعالیٰ کے تقرب پر قادر ہے تو اس کو بھی ثواب اسی اعتبار سے ہوگا کہ وہ اپنے علم سے اللہ تعالیٰ کے لئے کام کرتا ہے، اسی طرح اگر سلطان خلق خدا کا معاملہ خدا کے لئے کرے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور قابل ثواب عمل ہوگا، اس وجہ سے نہیں کہ وہ علم دین کا ذمہ دار ہے بلکہ اس سبب سے کہ اس نے اس کام کا ذمہ لیا جس سے اللہ تبارک و تعالیٰ کے تقرب کا قصد رکھتا ہے۔

جن امور سے قرب خدا کا حصول ہوتا ہے وہ تین ہیں (۱) علم مکاشفہ (۲) عمل، جیسے بادشاہوں کا عدل کرنا اور لوگوں کو منظم رکھنا (۳) علم و عمل کا مرکب، وہ آخرت کا علم ہے جو اس علم کا جاننے والا ہے، وہ عالم اور عامل دونوں کا جامع ہے، اب آپ فیصلہ کیجئے کہ آپ علما باللہ سے ہونا چاہتے ہیں یا صرف عاملین سے یا دونوں کے جامع؟ مولیٰ تعالیٰ علم و عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ ■■■

از: مفتی محمد صابر القادری فیضی*

ماہ ربیع الاوّل کے فضائل و معمولات

ربیع الاول شریف اسلامی سال کا تیسرا مہینہ ہے، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب اس کا نام رکھا گیا تو اس وقت موسم ربیع کی ابتدا تھی، اس لئے اس کا نام "ربیع الاول" رکھا گیا۔

یہ مہینہ خیرات و برکات اور سعادتوں کا منبع ہے، کیوں کہ اسی ماہ کی بارہویں تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضور رحمۃ للعالمین مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کو پیدا فرما کر نعمتوں کی بارش برسائی، اسی ماہ کی آٹھویں تاریخ کو حضور رحمۃ للعالمین ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور اسی ماہ کی دسویں تاریخ کو نبی پاک ﷺ نے ام المومنین سیدہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا۔ [عجائب المخلوقات ص ۴۵]

مشائخ عظام علمائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ کا وقت ولادت باسعادت لیلۃ القدر سے بھی افضل ہے کیونکہ لیلۃ القدر میں فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ولادت پاک کے وقت خود حضور رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین ﷺ تشریف لائے، جن کے واسطے تمام جہان کو پیدا کیا گیا، نیز خداوند قدوس جل جلالہ لیلۃ القدر میں صرف امت مسلمہ پر فضل و کرم فرماتا ہے اور شب ولادت میں اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر اپنا فضل و کرم فرمایا، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے وما ارسلناک الا رحمۃ للعٰلمین۔ یعنی اے محبوب! ہم آپ سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

بارہویں ربیع الاول شریف کو بیع خوشی و مسرت کا اظہار کرنا، مساکین کو کھانا کھلانا اور میلاد شریف کا جلوس نکالنا اور جلسے منعقد کرنا اور کثرت سے درود شریف پڑھنا بڑے ثواب کا حامل ہے، اللہ تعالیٰ تمام سال اس کو امن و سکون عطا فرمائے گا اور اس کے تمام جائز مقاصد پورے فرمائے گا۔ [ماثبت من السنۃ ص ۷۹]

مسلمانوں کو چاہئے کہ اس مبارک مہینہ میں بارہویں تاریخ کو بالخصوص اور باقی سال میں بالعموم میلاد شریف کو محافل منعقد کیا کریں، ہمارے لئے یہ محفل پاک ذریعہ ہدایت و نجات اور سبب حصول برکات ہوگی۔

کیا کوئی خاص دن منانا جائز ہے؟

وذکرھم بایام اللہ۔ یعنی اور یاد دلاؤ ان کو اللہ کے دن اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ سب راتوں اور دنوں کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا ہے اور سب دن اللہ ہی کے ہیں، مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون سے دن ہیں جن کو خاص طور پر یاد دلانے کا حکم دیا گیا ہے تو رئیس المفسرین حضرت ابن عباس، حضرت ابی ابن کعب، حضرت مجاہد، قتادہ و دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ ایام اللہ سے مراد وہ دن ہیں جن میں اللہ نے اپنے بندوں پر انعام فرمائے۔ [ابن جریر]

ایمان والے جانتے ہیں کہ سردار دو جہاں باعث تخلیق کون، مکاں رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین، حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہیں باقی تمام نعمتیں انھیں کا صدقہ ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا تو جس دن یہ نعمت عظمیٰ عطا ہوئی اس دن کو یاد دلانا اور لوگوں کو بتانا کہ یہ ہے وہ دن جس دن اللہ تعالیٰ نے نبی کریم رؤف رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم بھیج کر مومنوں پر بڑا احسان و انعام فرمایا یہ حکم الٰہی کی تعمیل ہے اور اللہ کے کسی حکم کی تعمیل کرنا بدعت نہیں بلکہ باعث رحمت و برکت ہوا کرتا ہے اور اسی پر ان ایام کو جن میں اہم واقعات پیش آئے اور بزرگان دین پر انعامات الٰہیہ ہوئے قیاس کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا۔ اے محبوب آپ فرما دیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت (کے ملنے) پر چاہئے کہ (آپ)

* مضمون نگار مدرسہ عربیہ حمادیہ رحمان گنج، بارہ بنکی کے پرنسپل ہیں۔

خوشی کریں، اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ کے فضل ورحمت پر خوشی کا اظہار کرنا حکم الٰہی ہے اور بیشک نبی کریم علیہ التحیۃ و التسلیم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجنا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل عظیم ہے، لہٰذا حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری کے سلسلے میں ہر جائز اور کا اظہار کرنا اس آیت پر عمل ہے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کا یوم ولادت منانا بدعت نہیں بلکہ مباح و مستحسن ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ آپ کی ولادت کی خوشی صرف مومنوں مسلمانوں کو ہی ہو سکتی ہے، دشمنوں اور مخالفوں کو نہیں ہو سکتی، بلکہ انہیں تو سخت صدمہ ہوگا، جیسا کہ خاص میلاد کے دن شیطان کو ہوا تھا۔

میلاد، مولود اور ولادت کا ایک ہی مفہوم ہے یعنی کسی کے پیدا کرنے کا ذکر کرنا، کسی کی پیدائش کا ذکر کرنا اور کسی کی ولادت کی اطلاع و خبر دینے کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی کے حالات کو بیان کرنا، جب کے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اکثر انبیاء اکرام کا ذکر خیر کرتے ہوئے ان کی زندگیوں کے حالات کو بھی پوری تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے، مثلاً حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: وسلم علیہ یوم ولدت کہ جس دن حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اس دن پر سلام اور ان کی ولادت پر سلام اور حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی ولادت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا: وسلم علی یوم ولدت کہ جس دن میں پیدا ہوا اس دن پر میرا ہی سلام مجھ پر، ان کے علاوہ حضرت ابراہم، حضرت موسیٰ، حضرت یونس حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام کی ولادت پاک کے ذکر خیر اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد شریف کے بیان کے ساتھ ساتھ آپ کی آمد کی اطلاع، تشریف آوری کی خبر اور جلوہ فرمائی کی اطلاع کے ساتھ ساتھ آپ کی زندگی کے ہر پہلو پر شرح وبست سے روشنی ڈالی گئی ہے، کہیں آپ کے خلق عظیم کا تذکرہ ہے اور کہی آپ کے لطف وکرم کا ذکر اور کہیں آپ کے حسن وجمال کی تصوپر ہے اور کہیں آپ کے خطبات کی تفسیر کی جگہ پر منبر پاک پر آپ کی جلوہ فرمائی کا بیان ہے اور کسی مقام پر میدان جہاد میں آپ کی سپہ سالاری کا ذکر ہے اور کہیں واذ اخذ اللہ میثاق النبین فرما کر تمام انبیاء علیہم السلام پر اسے آپ کی رسالت پر ایمان لانے کا عہد لیا جا رہا ہے اور کہیں: مبشر. برسول یاتی من بعد اسمہ احمد کہہ کر روح سے ان کی آمد کی خوشخبری دلائی جا رہی ہے کہیں: ربنا والبعث فیھم رسولا کے الفاظ میں حضرت خلیل اللہ علیہ اسلام سے انھیں مبعوث کرنے کی دعا کرائی جا رہی ہے اور قد جاء کم من اللہ نور فرما کر خود آپ کی تشریف آوری کا عام اعلان فرما رہا ہے اور یہی میلاد ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بارہ ربیع الاوّل شریف کے مبارک دن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے بڑی نعمت سید المرسلین تاجدار مدینہ ﷺ کی نورانی صورت میں ساری نسل انسانی کی ہدایت کے لئے اہل ایمان کو عطا ہوئی، اسی لئے اس نعمت عظمیٰ کی خوشی میں جشن عید میلاد النبی ﷺ مناتے ہیں، مٹھائی تقسیم کرتے ہیں، بازار سجاتے ہیں، خوبصورت محرابیں بناتے ہیں، جھنڈیاں لگاتے ہیں، جھنڈے لہراتے ہیں، ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کرتے ہیں، نعت خوانی کا لطف اٹھاتے ہیں اور درود وسلام کے پھول نچھاور کرتے ہیں اور پھر لطف کی بات تو یہ ہے امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت یہ سب کچھ ہوا، جھنڈے خدا نے پھیرائے، درود وسلام فرشتوں نے پڑھا، مبارک باد جانوروں نے دی، اعلان نبیوں نے کیا، منادی جبریل نے سنائی اور گواہی شجر وحجر نے دی۔

محفل میلاد النبی ﷺ کی برکتیں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: من انفق درھما علی قراۃ النبی مولد النبی ﷺ کان رفیقی فی الجنۃ۔ جس نے نبی کریم ﷺ کے میلاد پاک پر ایک درہم بھی خرچ کیا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: من عظم مولد النبی ﷺ فقد احیاء الاسلام۔ جس نے امام الانبیاء ﷺ کے میلاد پاک کی تعظیم کی اس نے اسلام کو زندہ کیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: من انفق درھما علی قراۃ النبی مولد النبی ﷺ فکانما شھد غزوۃ بدر وحنین۔ جس نے

سیدالانبیاء ﷺ کے میلاد پاک پر ایک درہم بھی خرچ کیا گویا کہ وہ بدر و حنین کے جہاد میں شریک ہوا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "من عظم مولد النبی ﷺ وکان سعیا لا یخرج من الدنیا الا بالایمان ویدخل الجنۃ بغیر حساب"۔ جس نے رسول اللہ ﷺ کے میلاد پاک کی تعظیم کی اور اسے بیان کرنے کی کوشش کی تو دنیا سے ایمان کے ساتھ جائے گا اور بغیر حساب کے جنت میں جائے گا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "لو کان لی مثل جبل احد ذھبا فانفقتہ علی قراۃ مولد النبی ﷺ" اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میں نبی کریم ﷺ کے میلاد پاک پر خرچ کردوں۔ [النعمۃ الکبریٰ علی العالم، ص ۷ تا ۱۲]

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "وسائل فی شرح شمائل" میں رقم طراز ہیں کہ "ما من بیت او من مسجد او محلۃ قرء فیہ مولد النبی ﷺ الا حفۃ الملائکۃ ذالک البیت و المسجد و المحلۃ وصلت الملائکۃ علی اھل ذالک المکان"۔ جس گھر میں اور جس مسجد میں اور جس محلہ میں امام النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میلاد پاک پڑھا جائے اللہ کی رحمت کے فرشتے اس مکان اس مسجد اور اس محلہ کو گھیر لیتے ہیں اور اس مکان والوں پر درود شریف بھیجتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "من جمع لمولد النبی ﷺ اخوانا وھیا طعاما وخلی مکانا وعمل احسانا و صار سببا لقراتہ بعثہ اللہ یوم القیمۃ مع الصدیقین والشھداء والصالحین ویکون فی جنت النعیم"۔ جس نے محفل میلاد ﷺ کے لئے دوستوں کو جمع کیا کھانا تیار کیا اور مکان خالی کرایا اور میلاد خوانی کا سبب بنا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن صادقین شہداء، اور صالحین کے ساتھ اٹھائے گا اور اس کا ٹھکانا جنت النعیم میں ہوگا۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "من ھیا طعاما لاجل قراۃ مولد النبی ﷺ وجمع اخوانا واوقد سراجا ولبس جدیدا وتعطر تعظیما لمولد النبی ﷺ حشرہ اللہ یوم القیمۃ مع الفرقۃ الاولیٰ من النبیین"۔ جس نے میلاد النبی ﷺ پر کھانا پکایا لوگوں کو جمع کیا نیا لباس پہنا اور خوشبو سے میلاد کی جگہ کو معطر کیا اور چراغاں کیا، اس کا حشر انبیاء علیہم السلام کی رفاقت میں ہوگا۔ "ما من مسلم قرء فی بیتہ مولد النبی ﷺ رفعہ اللہ سبحانہ تعالیٰ القحط والوباء والحزن و الآفات و البلیات وعین السوء واللصوص اھل ذالک البیت فاذا مات ھون اللہ علیہ جواب منکر ونکیر"۔ جس گھر میں تاجدار کون ومکاں ﷺ کا میلاد شریف ہوتا ہے اس گھر سے قحط، وباء، غم، غرق ہونا اور تمام آفات وبلاؤں اور بری نظر اور چوروں سے اس اہل خانہ کو محفوظ رکھتا ہے، جب وہ مرتا ہے اس پر منکر نکیر کے جواب کو آسان فرمادیتا ہے۔ [ایضاً]

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک ﷺ کو اس لئے پیدا فرمایا کہ جب اپنے حسن کی محفل سجانے کا خیال آیا، چراغ بزم امکاں کے جلانے کا خیال آیا، حریم ناز کے پردے اٹھانے کا خیال آیا، خدا کو نور جب اپنا دکھانے کا خیال آیا، تو محمد عربی ﷺ کو بنانے کا خیال آیا، یعنی اپنا جلوہ دکھلانے اور اپنی پہچان کرانے کے لئے اپنے محبوب پاک ﷺ کو اپنی ذات کا مظہر اور اپنے حسن وجمال کا آئینہ بنا کر پوری نسل انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مبعوث فرما کر یہ اعلان بھی کردیا کہ "لولاک لما اظہرت الربوبیۃ" زینت بزم کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو اپنی ربوبیت کا اظہار بھی نہ کرتا، عارف رومی علیہ الرحمہ اسی حدیث قدسی کے تحت اپنا نذرانۂ عقیدت یوں پیش کرتے ہیں ؎

محمد نبودے کسے نبودے
نبودے ہر دو عالم را وجودے

یعنی محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا، سیدی سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ یوں نغمہ سرا ہیں ؎

گر مصطفےٰ نہ ہوتے پیدا ہی کچھ نہ ہوتا
وجہ وجود عالم ہوتا ہے مصطفےٰ کا

اور ڈاکٹر اقبال بھی بارگاہ رسالت میں اپنی محبت کے پھول اس طرح نچھاور کرتے ہیں ؎

ترا جوہر ہے نوری پاک ہے تو
فروغ دیدۂ افلاک ہے تو

ترے صید زبوں فرشتہ وحور
کہ شاہین شہ لولاک ہے تو

اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کی زندگی جس تنگی وعسرت سے گزری، وہ کوئی چھپی ہوئی بات نہیں ہے ان کے پاس نہ کوئی دولت تھی اور نہ کوئی سرمایہ، نہ سونے چاندی کے خزانے تھے اور نہ ہی لعل وجواہرات کے ڈھیر، نہ ہی خوشنما باغات تھے اور نہ ہی شاہی محلات لیکن اس فقروفاقہ میں بھی ان کو سکون قلب، تسکین روح سرورزندگی اور راحت قلب وجگر حاصل تھی اس لئے کہ وہ اس عارضی کیف ومستی اور غیر فانی زندگی کو زیادہ اہمیت دیتے تھے اور جب ان کی پرشوق نگاہیں جمال مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ لیتی تھیں تو پھر زندگی کی تمام رعنائیاں سمٹ کر ان کے دامن مراد میں پھیل جاتی تھیں اور وہ اسی نشۂ عشق ومحبت سے سرشار ہوکر دنیا و مافیہا سے بے خبر جب اس لازوال حسن کا مشاہدہ کرتے تو نہ انہیں بھوک لگتی اور نہ انہیں پیاس بلکہ وہ دنیا کی ہر چیز کو بھول جاتے کیوں کہ جمال یار کو دیکھنا ہی ان کے لئے زندگی کی سب سے بڑی نعمت تھی۔

لیکن ان کی غربت، مفلسی، تنگی اور عسرت کو دیکھ کر مکہ مکرمہ کے فرعونی دماغ رکھنے والے کافر اسلام اور پیغمبر اسلام کے جھوٹا ہونے کی ایک دلیل سمجھ لیتے کیوں کہ دولت کے نشے اور سرمایہ داری کے جنون اور امارت کے غرور نے ان کی آنکھوں پر پردے اور ان کے دلوں پر مہریں لگادی تھیں یہاں تک کہ ان کے نزدیک حق وصداقت کا معیار ہی بدل چکا تھا اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ غریب اور مفلس انسان خدا کی رحمت کا سرے سے حقدار ہی نہیں ہے اور وہ حق وصداقت کے معیار کو طہارت قلب، تزکیۂ نفس، اتقاء اور پرہیزگاری کی بجائے سرمایہ داری جاگیرداری اور ظاہری شان و شوکت اور عارضی جاہ وحشمت سمجھتے تھے اور وہ اسی بنا پر آقا کی نبوت کا انکار کرتے تھے کہ اگر خدا کو نبی بنا کر بھیجنا تھا تو پھر مکے کے کسی بڑی سردار قریش کے کسی بڑے جاگیردار اور طائف کے کسی بڑے سرمایہ دار کو نبوت عطا کرتا آخر یہ نبی کیسے ہوسکتا ہے جو رہتا ہے ٹوٹے ہوئے حجرے میں، بیٹھتا ہے کھجور کی چٹائی پر اور پہنتا ہے پھٹی ہوئی چادر اور دعویٰ کرتا ہے ساری کائنات کے لئے نبی ہونے کا اس لئے وہ کہتے تھے کہ یہ اگر نبی ہوتا تو اس کے پاس سونے اور چاندی کے خزانے ہوتے، لعل وجواہرات کے ڈھیر اور سنہرے محلات ہوتے اور جب ان کا غرور تکبر، عناد اور تعصب حد سے بڑھ گیا تو پھر غیرت خداوندی نے پکار کر کہا کہ میرے محبوب کی نبوت کو سونے چاندی کے خزانوں، لعل وجواہرات کے ڈھیروں، سنہرے باغات کے پھولوں، ریشمی لباسوں اور سنہری محلات میں تلاش نہ کرو بلکہ میرے محبوب کی نبوت کو اگر دیکھنا ہے تو کسی یتیم کے ٹوٹے ہوئے دل میں دیکھو، آخر آہستہ آہستہ زمانے نے کروٹ بدلی تو وہی دلق پوشوں کی مقدس جماعت، فاقہ مستوں کا متبرک گروہ اور صحرانشینوں کا نورانی ٹولہ ساری دنیا کے لئے امن وسلامتی، عدل وانصاف اور لطف وکرم کا ایک مضبوط قلعہ بن گیا اور پھر وہی تنگی وعسرت اور فقروفاقہ کی زندگی بسر کرنے والے دنیا کے تاجدار ہوئے، آج دنیا کے نفس پرست اور ننگ انسانیت حکمراں بھی آئے دن یہ اعلان کرتے ہیں کے غریبوں ہم تمہارے ساتھ ہیں، امریکہ کے نام نہاد جمہوریت اور روس کی نسل انسانی کو تباہ کردینے والی آمریت بھی غریبوں کی حمایت کی مدعی ہے مگر یہ سب مکاری ہے اور ایسے اعلانات وبیانات میں صداقت کا نام تک نہیں ہے، اس لئے کہ آج تک کسی نے اس کا کوئی عملی ثبوت نہیں دیا، کوئی پری پیکر کار میں بیٹھ کر اور کوئی ہوائی جہاز میں پرواز کرتے ہوئے غریبوں سے ہمدردی کا اعلان کرتا ہے۔

آنسوؤں سے بھیگی ہوئی غریب کی آنکھوں نے دیکھا تو اسے موجودہ ترقی یافتہ دور میں ہر طرف سے مایوسی نظر آئی پھر اس نے حسرت بھری نگاہ سے مدینہ کی طرف نگاہ اٹھائی تو اس نے دیکھا کہ ساری کائنات کا ہادی، زمین وآسمان کا مالک، کون ومکاں کا شہنشاہ اور عرب وعجم کا تاجدار ایک ٹوٹے ہوئے حجرے میں کھجور کی ایک ٹوٹی ہوئی چٹائی پر بیٹھ کر اور پیٹ پر بھوک کی وجہ سے پتھر باندھے ان کے لئے دعا کررہا ہے۔

اسلامیات

غریب امیروں سے چالیس برس پہلے جنت میں جائیں گے

آقائے کریم ﷺ کا فرمان عالیشان ہے: اللّٰھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشر لی فی زمرتہ المسکین اے اللہ مجھے مسکینوں میں زندہ رکھنا، مسکینوں ہی میں مارنا اور قیامت کے دن مجھے مسکینوں کی گروہ میں اٹھانا۔ [مشکوٰۃ شریف ص ۴۴۷]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی اے مدنی آقا آپ مولائے کل اور شہنشاہ کون ومکاں اور محبوب رب دوجہاں ہوکر ایسی دعا کیوں کرتے ہیں؟ تو مدنی تاجدار نے جواب دیا کہ غریب اور مسکین لوگ قیامت کے دن امیروں سے چالیس برس پہلے جنت میں جائیں گے اور پھر امام الانبیاء ﷺ نے الفقر فقری کی عملی تفسیر دنیا والوں کے سامنے اس طرح پیش کی کہ اگر کوئی غریب امتی دو دن سے بھوکا ہے تو مدنی تاجدار ﷺ کے پیٹ پر پتھر بندھا ہے۔

تھا قدموں میں ڈھیر اشرفیوں کا لگا ہوا
اور پیٹ پر تھا پتھر کئی دن سے بندھا ہوا

آج کے مہذب اور ترقی یافتہ دور میں بھی غریبوں کو نفرت اور حکارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے لیکن دولت وثروت اور سرمایہ داری کے نشے میں سرمست انسان شاید یہ نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد جتنی زمین کسی بڑے سے بڑے امیر کو ملتی ہے اتنی ہی فقیر کو اور وہی کفن جو ملک کے بادشاہ کو لگتا ہے وہ بستی کے گداگر کو بھی، ڈاکٹر اقبال نے اس کی ترجمانی یوں کی ہے۔

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب
زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارہ تو غریب

پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب

امراء نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملت بیضا غرباء کے دم سے

اس طرح کے ابتدائی دور میں مسلمان فقر وفاقہ کی زندگی بسر کر رہے تھے اور کئی کئی دن تک ان کو کوئی شئی کھانے کو نہیں ملتی تھی، اس وقت اگر فیضان نبوت ان کی غریبی اور مفلسی میں ان کے شامل حال نہ ہوتا اور مدنی آقا ﷺ کا دست کرم ان کی دستگیری نہ کرتا تو بہت ممکن تھا کہ حالات کچھ اور ہوتے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک غربت اور مفلس آدمی آقائے کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے مدنی آقا تاجدار دوعالم ﷺ سے اپنی غربت اور تنگدستی کی شکایت کرتے ہوئے کچھ کھانے کو مانگا تو حضور ﷺ نے اس کو ایک سیر جو دیئے اور وہ گھر لے آیا تو ان میں اتنی برکت ہوئی کہ: فما زال الرجل یاکل وامراتہ وضیفھما۔ کئی سال تک وہ صحابی اور اس کی بیوی اور مہمان کھاتے رہے مگر وہ جو ختم نہ ہوئے، ایک دن اس نے پکانے سے پہلے جو کو تول لیا جو ختم ہو گیا تو پھر نبی کریم ﷺ کے پاس گیا اور عرض کی یارسول اللہ جو ختم ہو گئی ہے تو مدنی آقا ﷺ نے فرمایا لو لم تکلہ لاکلتم منہ ولکام لکم۔ اگر تم ان کو نہ تولتے تو وہ کبھی ختم نہ ہوتے۔ [مسلم، ۲/۲۴۶]

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ آقائے کریم ﷺ مختار کل ہیں جب چاہیں جو چاہیں جس کو چاہیں عطا فرما دیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ایسا دیتے ہیں کہ پھر ختم نہیں ہوتا، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جس نے نبی کی دی ہوئی کوئی چیز تولی تو وہ شئی ختم ہوئی اور جس نے اللہ کا دیا ہوا نبی کا علم تولا تو اس کا ایمان ختم ہو گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ان ام مالك كانت تھدی للنبی ﷺ فی علتہ لھا سمنا۔ ام مالک کا دستور تھا کہ وہ ایک برتن میں ہدیہ کے طور پر حضور ﷺ کو گھی یا شہد بھیجا کرتی تھیں اور ان کے بچے جب سالن مانگتے اور گھر میں نہ ہوتا تو وہ اس برتن کو اٹھا لاتیں اور اس سے بقدر ضرورت گھی یا شہد نکل آتا: حتی عصرتہ فاتیت النبی علیہ السلام فقال عصرتیھا قالت نعم قال لو ترکیتھا ما زال قائما۔ ایک دن انہوں نے اس برتن کو نچوڑ لیا اور پھر آقائے کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے اس برتن کو نچوڑ لیا ہے تو انہوں نے عرض کی کہ ہاں تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس برتن کو نہ نچوڑا جاتا تو اس میں ہمیشہ گھی یا شہد نکلتا رہتا۔ [مسلم شریف ج ۲/ ص ۲۴۶]

حضرت حرام ابن ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر ساتھی آپ کے ہمراہ تھے تو یہ مقدس قافلہ ام معبد کے خیمہ میں پہنچا، فنظر رسول اللہ الی شاۃ فی کسر الخیمۃ مقال ما ھذہ الشاۃ یا ام معبد تو حضور نبی کریم ﷺ خیمہ میں ایک بکری بندھی ہوئی دیکھی تو آپ نے فرمایا: ام معبد یہ بکری کیسی ہے؟ ھل من لبن کیا یہ دودھ دینے کے قابل نہیں ہے؟ ام معبد نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ بکری دودھ دینے سے خالی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ام معبد اگر یہ بکری دودھ سے خالی ہے مگر میں محمد تو خالی نہیں میری شان تو یہ ہے کہ ہاتھ لگایا نہیں کہ دودھ آیا نہیں اور فرمایا: اس بکری کو میرے پاس لاؤ تا کہ میں اس کا دودھ دوہوں قالت بابی انت وامی ان رأیت بھا حلوبا فاحلبھا ام معبد نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان اگر یہ اس قابل ہے تو یا رسول اللہ اس سے دودھ حاصل کر لیں قدعا رسول اللہ فمسح بیدہ ضرعھا وسمی اللہ۔ تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بکری کو جو دودھ دینے کے قابل نہ تھی اپنے پاس منگوایا اور اس کے تھنوں کو چھوا اور اللہ کا نام لے کر دوھنا شروع کر دیا پس پھر کیا تھا اس سوکھی بکری دودھ کی نہریں بہہ نکلیں اور پھر کئی برتن بھر گئے اور تمام ساتھیوں نے پیا، ام معبد فرماتی ہیں کہ میں نے اس بکری میں ایسا فیضان نبوت دیکھا کہ وہ بکری پھر کبھی نہیں سوکھی۔ [مشکوۃ ص ۵۴۴]

فیضان نبوت کے ان چشموں کو دیکھو کہ اس طرح سے اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جب کہ مسلمان انتہائی فقر و فاقہ سے زندگی بسر کرتے تھے ان کی بھوک اور پیاس بجھاتے تھے اور شافع محشر ﷺ کے دست کرم پر غور کرو کہ کس طرح مسلمانوں کی تنگی و عسرت اور غربت و مفلسی میں دستگیری اور حاجت روائی فرماتے رہے، کبھی نرم و نازک انگلیوں سے پانی کے چشمے بہہ نکلتے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اس کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ
نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں
انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

اور کبھی فیضان نبوت سے تھوڑی سی شئے میں حیرت انگیز اضافہ ہو جاتا تھا اور ہوتا بھی کیوں نہ جب کہ ساقی کوثر ﷺ نے خود ارشاد فرمایا "واللہ معطي وانما انا قاسم" کہ خدا مجھے دیتا ہے اور میں ان تمام خزانوں کو تقسیم کرتا ہوں۔

مدنی تاجدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: انی اعطیت مفاتیح خزائن الارض۔ تحقیق مجھے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں۔ [بخاری شریف ج ۱، ص ۵۰۸]

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی رحمت شفیع امت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: واعطیت الکرین الاحمر والارض۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے سونے چاندی کے خزانے عطا کئے گئے ہیں۔ [مشکوۃ شریف ص ۵۱۲]

تو جب امام الانبیاء والمرسلین ﷺ اللہ تعالیٰ کے زمین و آسمان کے تمام خزانوں کے ملک و مختار ہیں اور جب خدائے تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے کے ان تمام خزانوں کو تقسیم کرنے والے بھی حضور ﷺ خود ہی ہوں تو پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ کسی تنگدست کی تنگدستی اور کسی مفلس کی مفلسی یا کسی غریب کی غربت اور کسی حاجت مند کی حاجت فیضان نبوت کے بھرپور خزانوں سے پوری نہ ہوتی جس کی صورتیں مختلف تھیں۔

کبھی آپ کی نرم و نازک انگلیوں سے پانی کے چشمے ابل آتے، کبھی آپ کی دعاؤں برکت سے تھوڑی شئے بھی ہزاروں کی خوراک بن جاتی، کبھی آپ کے دست کرم کے چھونے سے سیاہ رنگ والے یوسف ثانی بن جاتے اور یہ فیضان نبوت صرف ان کیلئے ہی محدود نہ تھا بلکہ اس برکت الٰہی سے سبھی لوگ مستفید ہوتے بلکہ آج بھی اور قیامت تک جس کو جو بھی ملتا ہے اسی قاسم نعمت ﷺ کا صدقہ ہے، اعلیٰ حضرت کیا ہی خوب فرماتے ہیں ؎

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

■■■

از: مولانا سید اولاد رسول قدسی*

نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

عربی زبان میں روشنی کے لیے نور کے ساتھ ساتھ ضو کا بھی استعمال ہوتا ہے مگر دونوں میں اہم فرق یہ ہے کہ نور ایسی خفیف روشنی کو کہتے ہیں جو آنکھوں کو خیرہ نہ کرے بلکہ تسکین فراہم کرے جبکہ ضو اس روشنی کو کہتے ہیں جو انتہائی تیز ہو اور آنکھوں کو چکاچوند کردے، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مقدس نے آفتاب کی روشنی کو ضیا اور ماہتاب کی روشنی کو نور سے تعبیر فرمایا ہے۔

خداوندِ قدوس نے قرآنِ مقدس میں کئی ایک مقامات پر رسولِ کائنات ﷺ کو نور سے یاد فرمایا ہے، مثلاً- قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ- يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا- یہاں یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ سرکارِ ابد قرار ﷺ نور ہیں یعنی آپ کی روشنی آفتاب کی طرح پر حدت اور پر جلال نہیں جو آنکھوں کو خیرہ کردے بلکہ اس قدر لطافت سے لبریز ہوتی ہے کہ آنکھوں کو ٹھنڈک فراہم کرتی ہے اور دیکھنے والوں کو طمانیت میسر آتی ہے، آپ کے نور کا فیضان پوری کائنات پر محیط ہے۔

یاد رہے کہ مذکورہ آیات میں نور سے مراد رسول ہاشمی وقار ﷺ کی ذات بابرکات ہے، نبی کریم ﷺ کو قرآنِ کریم میں جو نور سے یاد کیا گیا ہے اس میں صدہا حکمتیں جلوہ فگن ہیں، ایک حکمت تو یہ ہے کہ جیسے نور کی خصوصیت ہے اوروں کو فیض پہنچانا ایسے ہی نبی کریم ﷺ کے نور سے فیوض و برکات کے سوتے پھوٹتے رہتے ہیں، یہاں ایک بات انتہائی اہم ہے وہ یہ کہ مادی نور ایک حد تک فیض پہنچا سکتا ہے یعنی اس کی فیض رسانی کا دائرہ محدود ہوتا ہے اب جو شے اس کے دائرۂ فیض سے باہر ہو تو وہ فیض حاصل کرنے پر قادر نہیں ہوگی مگر سرکارِ دوعالم ﷺ کا نور مادی نہیں بلکہ آپ کا نور من جانب اللہ ہے اور آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نور ہیں، آپ کے نور سے پوری کائنات کل بھی فیض یاب تھی، آج بھی ہے اور صبح قیامت تک رہے گی بھلا کیوں نہ ہو ترمذی شریف کے اندر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا: من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین وانما انا قاسم واللہ یعطی- یعنی اللہ جل شانہ جس پر بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔

اس حدیث سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ جسے بھی جو فیض ملتا ہے وہ درِ مصطفےٰ سے ملتا ہے کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ معطیٔ نعمت ہے اور مصطفےٰ جانِ رحمت ﷺ قاسمِ نعمت۔

نور کی ایک اور خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ بذاتِ خود ظاہر ہوتا ہے اور اپنے ماسوا کو بھی ظاہر کرتا ہے، اس کی آسان سی مثال آفتاب کی دی جاسکتی ہے کہ آفتاب ایک ایسا نور ہے جو خود منور ہے اور جو اس کے نور کے دائرے میں آگیا وہ بھی منور ہوگیا مگر آفتاب کی روشنی جب دنیا میں پھیلتی ہے تو وہ یکساں نہیں رہتی یعنی اس کی روشنی کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتی ہے، نہ صرف یہ کہ کم اور زیادہ بلکہ ایک وقت وہ بھی آتا ہے کہ جب آفتاب کی روشنی بالکلیہ غائب ہوجاتی ہے، ظاہر ہے دوپہر کے مقابل میں صبح اور شام میں آفتاب کی روشنی میں بے حد کمی رہتی ہے اور پھر آفتاب نمودار ہونے کے بعد پوری زمین کے بجائے نصف زمین پر اپنی روشنی پھیلاتا ہے گویا آدھی زمین اس کی روشنی سے محروم رہتی ہے، یک بارگی آفتاب پوری زمین کو روشن کر نہیں پاتا لیکن سرورِ کائنات ﷺ ایسے نور ہیں کہ نہ صرف یہ کہ آپ زمین کو بلکہ عرش و فرش کو بھی روشن کرتے ہیں اور آپ کے نور کے اثرات میں کسی قسم کی کمی بیشی کا وقوع نہیں ہوتا البتہ اگر کوئی آپ کے نور سے مستفیض نہ ہوسکے تو یہ اس کی تنگ

* مضمون نگار نیویارک امریکہ میں مقیم اہلِ سنت معتبر قدو ادیب ہیں۔

دائمی کا قصور ہے ورنہ آپ کا نور تو یکساں طور پر ہمہ وقت روشنی بکھیرے ہوئے ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آفتاب کی روشنی سے محض جسم کا ظاہری حصہ روشن ہوتا ہے لیکن حضور پر نور ﷺ کا وہ نور ہے جو محض جسم کو نہیں بلکہ دل، دماغ، خیال حتیٰ کہ روح کو بھی روشن کرتا ہے۔

نور کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ روشن ہونے میں کسی کا محتاج نہیں ہوتا کیوں کہ وہ خود روشن ہے اور وہ اوروں کو روشن کرتا ہے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ نبی کریم ﷺ اللہ کے نور ہیں آپ کو کسی مخلوق نے چمکایا نہیں بلکہ آپ سے پوری کائنات چمک گئی، رسول کائنات ﷺ کا نور ایسا ظاہر ہے کہ نہ صرف یہ کہ آپ کو انسانوں نے پہچانا بلکہ جن و شجر و حجر و بحر و شمس و قمر حتیٰ کہ ہر مخلوق نے آپ کو پہچانا۔

مشکوٰۃ شریف ج ۲ ر ص ۵۲۰ ر: باب المعجزات کے اندر یہ حدیث موجود ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ ہر مخلوق مجھے جانتی اور مانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن جنوں اور انسانوں میں سے جو کفار ہیں وہ میری نبوت کا انکار کرتے ہیں یہ اس موقع پر سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا جب ایک انصاری کا اونٹ قابو سے باہر ہو گیا تھا اور لوگوں کو کاٹنے پر تلا ہوا تھا، لوگوں میں خوف و ہراس کا عالم چھایا ہوا تھا، لوگوں نے انتھک کوشش کی مگر اونٹ کو کوئی بھی مغلوب نہیں کر سکا، بالآخر لوگوں نے نبی کریم ﷺ کو اس امر ناگہانی سے مطلع کیا تو آپ نے جب اونٹ کے پاس جانے کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے بصد ادب و احترام عرض کیا یارسول اللہ! آپ قطعی نہ جائیں کیوں کہ جو بھی اونٹ کے پاس جانے کی جسارت کرتا ہے اسے وہ کتے کی طرح کاٹ کھاتا ہے مگر سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا لوگو! گھبراؤ نہیں مجھے جانے دو کیا تمھیں نہیں معلوم کہ رب کائنات نے مجھے ساری مخلوقات کا رسول بنا کر اس خاکدان گیتی میں مبعوث فرمایا ہے اور ہوا بھی ایسا کہ جوں ہی حضور اکرم ﷺ کے رخ زیبا پر بے تابو اونٹ کی نگاہ پڑی وہ دیوانہ وار دوڑا ہوا آیا اور ایک اطاعت شعار کی طرح آپ کے سامنے اپنی گردن ڈال دی پھر میرے آقا ﷺ نے جوں ہی اس کے سر اور گردن پر دست رحمت پھیرا وہ فوراً ٹھنڈا پڑ گیا۔

اسی مشکوٰۃ شریف ص ۵۳۶ ر کے اندر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مروی ہے: عن جابر قال کان النبی صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم اذا خطب استند الی جذع نخلۃ من سواری مسجد فلما صُنِعَ لہ المنبر فاستوی علیہ صاحت النخلۃ الّتی کان یخطب عندھا حتی کادت ان تنشق فنزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی اخذھا فضمھا الیہ فجعلت تَئِنُّ انین الصبی الذی یسکت حتی استقرت۔ یعنی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ جب مسجد میں خطبہ پڑھتے تو کھجور کے اس تنہ پر جو ستون کے طور پر مسجد میں کھڑا تھا ٹیک لگاتے پھر جب منبر بن کر تیار ہو گیا اور حضور پر نور ﷺ اس پر خطبہ پڑھنے کے لیے رونق افروز ہوئے تو وہ ستون جس سے ٹیک لگا کر آپ خطبہ دیا کرتے تھے فراق نبی میں چیخ اٹھا اور قریب تھا کہ وہ شدت اضطراب سے پھٹ جائے تو رسول اکرم ﷺ منبر سے اُترے یہاں تک کہ اس ستون کو پکڑ کر اپنے سینے سے لگا لیا پھر اس ستون نے اس بچہ کی طرح رونا اور بلبلانا شروع کیا جس کو تسلی دے کر خاموش کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس ستون کو قرار حاصل ہوا۔

شفا شریف ج ۱ ر ص ۲۰۰ ر کے اندر مندرج ہے کہ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار ابد قرار ﷺ نے اس ستون کو اپنے سینے سے لگا کر یہ فرمایا کہ اے ستون! تو نے میری محبت میں گریہ کیا ہے اگر تو چاہے تو میں اس کے صلہ میں تجھے وہاں پہنچادوں جہاں سے تو آیا ہے تاکہ تو حسب سابق سرسبز و شاداب درخت ہو جائے اور پھولتا پھلتا رہے اور اگر تیری یہ تمنا ہو کہ تو جنت میں پہنچ جائے تو رب کائنات کی بارگاہ میں عرض کر کے میں تجھے جنت کا ایک درخت بنادوں تاکہ جنت میں خداوند قدوس کے برگزیدہ بندے تیرے پھل سے سیری حاصل کریں، رسول کائنات ﷺ کی رحمت بھری باتیں سن کر ستون نے اس قدر بلند آواز سے جواباً عرض کیا کہ گرد و نواح میں بیٹھے ہوئے تمام لوگوں نے بھی سن لیا، اس نے یوں عرض کی کہ یارسول اللہ مجھے

دنیائے فانی نہیں چاہیے بلکہ عقبیٰ کا دوام چاہیے، آقا! میری آرزو یہ ہے کہ مجھے جنت الفردوس کا ایک درخت بنا دیا جائے تاکہ اولیائے کاملین میرے پھل سے مستفید ہوتے رہیں اور میری حیات کو جاودانی نصیب ہو جائے، رسولِ کائنات ﷺ نے ستون کو یوں مژدۂ جانفزا سے نوازا کہ اے ستون! اب تو خوش ہو جا میں نے تیری تمنا کو تکمیل کا جامہ پہنا دیا پھر اس کے بعد آقائے نامدار ﷺ نے جملہ حاضرین سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ اے میرے صحابہ! اس ستون سے درسِ عبرت حاصل کرو کہ میں نے اسے دو اختیارات دیئے تھے مگر اس نے دار الفنا کی زندگی کو ٹھکرا کر دار البقا کی حیات کو اختیار کیا۔

روایتیں بتاتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بعد میں اس ستون کو اپنے منبر شریف کے نیچے دفن فرما دیا، علامہ برقی نے ستون کے دفن کے سلسلے میں ایک ایمان افروز نکتہ یوں بیان فرمایا کہ ستون کو اس لیے دفن کیا گیا کہ اگرچہ وہ ایک بے جان خشک لکڑی تھا لیکن رسولِ اکرم ﷺ سے محبت کرنے اور آپ کے فراق میں اشکبار ہونے کی بنیاد پر اس کا مرتبہ اس قدر بلند ہو گیا تھا کہ اس کی حیثیت ایک مردِ مومن کی طرح ہو گئی تھی، ظاہر ہے سرکار ابد قرار ﷺ سے عشق و محبت ایمان کا خاصہ ہے اور صاحبِ ایمان ہی آپ کا عاشقِ صادق ہوتا ہے۔

اسی طرح مشکوۃ شریف ص ۵۴۱ ر کے اندر ایک کھجور کے خوشہ سے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ایمان کو جلا بخشنے والی حدیث یوں مرقوم ہے: عن ابن عباس قال جاء اعرابی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بما اعرف انک نبی قال ان دعوت ھذا العذق من ھذہ النخلۃ یشھد انی رسول اللہ فدعاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجعل ینزل من النخلۃ حتی سقط الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ارجع فعاد فاسلم الاعرابی۔ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ایک اعرابی رسولِ اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ میں کیسے تسلیم کر لوں کہ آپ نبی برحق ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں کھجور کے اس خوشے کو بلاؤں اور وہ میرے پاس آ کر اس بات کی گواہی دے کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا رسول ہوں تو مجھے اللہ کا رسول تسلیم کر لے گا، چنانچہ جوں ہی سرکار دو عالم ﷺ نے اس خوشہ کو بلایا تو وہ کھجور کے درخت سے اترنے لگا یہاں تک کہ حضور پرنور ﷺ کے قریب زمین پر آ کر گرا پھر آپ نے فرمایا کہ واپس چلا جا تو وہ خوشہ واپس چلا گیا یہ دیکھ کر وہ اعرابی حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

اسی طرح مشکوۃ شریف صفحہ نمبر ۵۲۳ ر میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث ہے: "عن جابر قال سرنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ نزلنا وادیا افیح فذھب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقضی حاجتہ فلم یر شیئا یستتر بہ واذا شجرتان بشاطئی الوادی فانطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی احداھما فاخذ بغصن من اغصانھا فقال انقادی علیّ باذن اللہ تعالیٰ فانقادت معہ کالبعیر المخشوش الذی یصانع قائدہ حتیٰ اتی الشجرۃ الاخری فاخذ بغض من اغصانھا فقال انقادی علیّ باذ اللہ فانقادت معہ کذالک حتیٰ اذا کان بالمنصف فما بینھما قال التئما علیّ باذن اللہ فالتئمتا فجلست احدث نفسی فحانت منی لفتۃ فاذا انا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقبلا واذا الشجرتان قد افترقتا فقامت کل واحدۃ منھما علی ساق۔ یعنی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم رسول ہاشمی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیت میں جا رہے تھے کہ سرِ راہ ایک بے آب و گیاہ میدان میں اترے، سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے لیکن پردہ کی کوئی جگہ نظر نہیں آ رہی تھی، اسی اثنا میں یک بیک آپ کی پرنور نگاہ اس وادی کے کنارے پر ایستادہ دو درختوں پر مرکوز ہوئی، آپ ان میں سے ایک درخت کے پاس تشریف لئے گئے اور اس کی ایک شاخ کو پکڑ کر درخت سے فرمایا کہ بحکم خدائے لم یزل میرے ہمراہ چل تو وہ درخت فوراً اس اونٹ کی طرح چل پڑا جس کی ناک میں نکیل بندھی رہتی ہے اور اپنے ساربان کی اطاعت میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتا، اسی

طرح سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی ایک شاخ پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ اے درخت! تو بھی بحکم خدائے لم یزل میرے ساتھ چل، آپ کا ارشاد گرامی سنتے ہی وہ سابق درخت کی طرح بلا تاخیر آپ کے ساتھ چل پڑا یہاں تک کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اُن درختوں کے درمیان کی جگہ پہنچے تو ارشاد فرمایا کہ اے درختو! تم دونوں بحکم الٰہی آپس میں متصل ہو کر میرے لئے پردہ بن جاؤ، ارشاد مصطفیٰ سنتے ہی دونوں درخت ایک دوسرے سے ایسے مل گئے کہ آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی آڑ میں قضائے حاجت فرمائی۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس عجیب و غریب واقعہ سے متعلق میں سوچ ہی رہا تھا کہ معاً میری نگاہ اٹھی تو میں نے دیکھا کہ آقا تشریف لا رہے ہیں اور وہ دونوں درخت ایک دوسرے سے الگ ہو کر چلنے لگے یہاں تک کہ وہ اپنے اپنے تنے پر حسب سابق کھڑے ہو گئے۔

اسی مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۴۱ رکے اندر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کردہ ایک اور درخت سے متعلق حدیث یوں موجود ہے: عن ابن عمر قال کنا مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی سفر فاقبل اعرابی فلما دنا قال لہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمداً عبدہ ورسولہ قال ومن یشھد علی ما تقول قال ھذہ السلمۃ فدعاھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو بشاطئ الوادی فاقبلت تخد الارض حتی قامت بین یدیہ فاستشھدھا ثلثا فشھدت ثلثا انہ کما قال ثم رجعت الی منبتھا۔ یعنی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم ایک بار رسول گرامی قدر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہم رکابی میں محو سفر تھے کہ ایک دیہاتی آ پہنچا، سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے قریب آنے پر استفسار فرمایا کہ کیا تو اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ رب قدیر کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تبارک و تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، دیہاتی عرض گزار ہوا کہ کوئی اور بھی ہے جو میرے علاوہ آپ کی باتوں پر گواہی دے، آپ نے برجستہ فرمایا کہ ہاں یہ جو ببول کا درخت تمہارے سامنے ہے یہ شہادت دے گا کہ خداوند قدوس ہی معبود برحق ہے اور میں اس کا سچا رسول ہوں، اتنا فرما کر آقا نے اس درخت کو آواز دی پھر کیا تھا وہ درخت فوراً زمین کو چیرتا پھاڑتا سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم ناز پر آکر سرفراز ہو گیا، آپ نے اس درخت سے تین مرتبہ گواہی طلب فرمائی تو اس درخت نے تینوں بار یوں شہادت پیش کی کہ درحقیقت ایسا ہی ہے جیسا کہ یا رسول اللہ آپ نے فرمایا پھر اس کے بعد وہ درخت وہاں چلا گیا جہاں سے آیا تھا، یوں تو اس سلسلے میں احادیث کثیرہ وقیع ہیں، سب کو احاطۂ تحریر میں لانے کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

تاہم لگے ہاتھ دو چند مزید حدیثیں سپرد قرطاس کی جاتی ہیں:

عن علی ابن ابی طالب قال کنت مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بمکۃ فخرجنا فی بعض نواحیھا فما استقبلہ جبل ولا شجر الا وھو یقول السلام علیک یا رسول اللہ۔ یعنی ترمذی شریف کے اندر مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی حدیث میں آپ خود فرماتے ہیں کہ میں ایک بار رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت با فیض میں بیٹھا تھا تو آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکۃ المکرمہ کے گردونواح میں تشریف لے گئے تو اس وقت مجھے بھی ہم رکابی کا شرف حاصل تھا تو میں نے کیا دیکھا کہ اثنائے راہ آپ کا سامنا جب کسی پہاڑ یا درخت سے ہوتا تو وہ بصد ناز آپ کی بارگاہ گہربار میں السلام علیک یا رسول اللہ عرض کرتا۔

صرف شجر و حجر ہی نہیں بلکہ شمس و قمر بھی جانتے تھے کہ آپ اللہ کے رسول برحق ہیں، مزید برآں جاننے کے ساتھ ساتھ آپ کی اطاعت میں یہ سربہ خم بھی ہو گئے، اس دعوے کے استشہاد میں مشکوٰۃ شریف صفحہ نمبر ۵۴۲ رکی دو اہم حدیثیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات بابرکات ہے: عن انس قال ان اھل مکۃ سالوا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یریھم آیۃ فاراھم القمر

شقتین حتیٰ رأوحراء بینهما۔ یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے باشندگان امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ نبی برحق ہیں تو ہمیں کوئی معجزہ دکھایئے، ایسی صورت میں آپ نے جوں ہی چاند کی طرف اپنی مقدس انگلیاں اٹھائیں تو فوراً چاند اس انداز سے دوٹکڑے ہوا کہ مکہ والوں نے اپنی آنکھوں سے جبل حرا کو چاند کے دوٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

دوسری حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: انشق القمر علی عهد محمد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فرقتین فرقة فوق الجبل وفرقة دونه۔ یعنی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد زریں میں چاند ایسے دوٹکڑے ہوا کہ اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ سے اوپر تھا اور دوسرا ٹکڑا اس کے نیچے۔

واضح رہے کہ مذکورہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ شریف کے علاوہ صحیحین شریفین یعنی صحیح البخاری اور صحیح المسلم میں بھی مندرج ہیں۔

محدث علی الاطلاق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تصنیف لطیف "اشعة اللمعات" کی چوتھی جلد کے اندر رقم طراز ہیں: انشقاق قمر به تحقیق واقع شده مرآں حضرت را صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وروایت کرده اند آں را جمع کثیر از صحابه وتابعین وروایت کرده اند از ایشاں جم غفیر از ائمه حدیث، مفسران اجماع دارند که مراد در آیت کریمه "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ" همیں انشقاق است که معجزۂ آں حضرت واقع شده آنکه در قیامت واقع شود وسیاق آیت کریمه فرموده "وان یروا آیة یعرضوا ویقولوا سحرٌ مستمرٌ" دلالت دارد به آں۔ یعنی حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے چاند کا ٹکڑے ہونا ایسا یقینی امر ہے کہ اس واقعہ کو صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت کثیرہ نے انتہائی واضح انداز میں بیان کیا ہے، اس پر مستزاد یہ کہ ان صحابہ وتابعین سے بہت سارے محدثین کرام نے روایتیں اخذ کیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ قرآن مقدس میں سورۂ قمر کی پہلی آیت (قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا) میں شق قمر سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چاند کا دو ٹکڑے کرنا حقیقی طور پر جملہ مفسرین کرام نے مراد لیا ہے، اس پر دلالت کرتی ہے اس کے بعد آنے والی یہ آیت "وان یروا آیة یعرضوا یقولوا سحرٌ مستمرٌ" یعنی اور وہ آکر دیکھیں کوئی نشانی تو منہ پھیرتے اور کہتے ہیں یہ تو جادو ہے چلا آتا ہے۔

اس کا صریح مفہوم یہ ہے کہ قیامت قریب آگئی یعنی دنیا کی عمر کا اب قلیل حصہ باقی رہ گیا کیوں کہ چاند کا دوٹکڑے ہوجانا علامات قیامت میں سے ہے وہ سرور دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد پاک میں رونما ہو گیا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس محتشم بالشان اور عظیم تر معجزے سے متعلق بعض ضعیف الاعتقاد حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب شق القمر کا معجزہ وقوع پذیر ہوا تو پھر یہ مکۃ المکرمہ تک محدود کیوں رہا اور دوسرے ممالک یا دوسرے شہروں میں لوگوں کو کیوں نظر نہیں آیا، اس بات کی وضاحت از حد ضروری ہے جو بعض ملحدین اس معجزے کا سرے سے انکار کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ دراصل سورۂ قمر میں شق قمر کی جو بات کہی گئی ہے اس کا ظہور قیامت کے دن ہوگا۔

ایسے لوگوں کے قول فاسد وکاسد کی دلیل یہ ہے کہ سورۂ قمر میں "چاند شق ہو گیا" سے پہلے رب کائنات نے فرمایا "قیامت قریب آگئی" لہٰذا شق قمر کا معجزہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صادر نہیں ہوا، بلکہ یہ شق قمر قیامت کے دن ظہور پذیر ہوگا، ان لوگوں کو سمجھنا چاہیے کہ قرآن مقدس میں رب قدیر نے ماضی کا صیغہ "انشق" استعمال فرمایا ہے اگر قیامت کے دن شق قمر کا ذکر مقصود ہوتا تو پھر بجائے صیغہ ماضی انشق کے صیغہ استقبال "ینشق" مستعمل ہوتا یعنی شق قمر ہوگا۔ ثانیاً اگر معترضین اس بات پر مصر ہوں کہ یہاں انشق صیغہ ماضی مستقبل کے معنی پر ہے تو یہ قطعاً قابل قبول نہیں کیوں کہ ایسی صورت میں بغیر قرینہ کے ماضی کو مستقبل کے معنی پر لینا لازم آئے گا جو بلاشبہ باطل ہے۔ ثالثاً یہ کہ مذکورہ آیت کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے "شق قمر کی عظیم الشان نشانی کو دیکھ کر کفار نے کہا کہ یہ جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔

مذکورہ آیت سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جادو کہنے

والے کفارِ مکہ تھے اور ظاہر ہے کہ ایسا انہوں نے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزۂ شق القمر کا مشاہدہ کرنے کے بعد ہی کہا نہ کہ قیامت میں ایسا کہا جائے گا۔ کیوں کہ قیامت کے دن کوئی انسان ہوگا ہی نہیں چہ جائیکہ کفار اسے جادو سے تعبیر کریں۔

یہ بات خاص وعام سے قطعی مخفی نہیں ہے کہ قیامت کے دن جب آسمان پھٹ جائے گا، چاند تارے ریزہ ریزہ ہوجائیں گے اور تمام انسانوں پر موت طاری ہوجائے گی تو پھر ایسے وقت میں جب کوئی انسان ہی نہیں ہوگا تو پھر کفار کہاں ہوں گے جو شق القمر سے متعلق کہیں گے کہ یہ جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ جب رسولِ گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عظیم الشان معجزہ شق القمر مکہ مکرمہ میں صادر ہوا تو دیگر ممالک یا دیگر شہروں میں دیکھا گیا یا نہیں اس سلسلے میں شفا شریف کی جلد اوّل صفحہ ۱۸۳ رمیں حضرت قاضی عیاض نے حضرت مسروق کی حدیث جو حضرت عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے یوں پیش کی ہے کہ جب یہ معجزہ ظہور پذیر ہوا تو کفار مکہ نے جہاں اسے جادو سے تعبیر کیا وہیں باہم بحث ومباحثہ کے بعد یہ طے ہوا کہ چلو ایسا کرتے ہیں کہ ہم دیگر شہروں سے آئے ہوئے مسافروں سے پوچھتے ہیں کہ آیا انہوں نے بھی چاند کو شق ہوتے ہوئے دیکھا یا نہیں، دیگر شہروں سے آنے والے مسافروں نے بھی باضابطہ کفار مکہ کے سامنے شہادت دی کہ ہاں بلاشبہ ہم نے بھی چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور اگر کسی ملک یا کسی شہر میں یہ معجزہ نہ دیکھا گیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ معجزہ صادر ہی نہیں ہوا، اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ ہمہ وقت لوگوں کی نگاہیں آسمان پر لگی ہوں، آسمان میں روز بروز جانے کیسی کیسی چیزیں وقوع پذیر ہوتی رہتی ہیں ہمیں اس کا علم ہی نہیں ہوتا، دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر جگہ وقت بھی یکساں نہیں رہتا کیوں کہ کہیں دن ہے تو کہیں رات، کہیں شام ہے تو کہیں صبح، اس کی زندہ مثال سورج اور چاند کے گرہن کی دی جاسکتی ہے، کوئی ضروری نہیں کہ اگر نیویارک میں چاند میں گرہن لگ جائے تو ان جگہوں میں بھی نظر آئے جہاں وقت میں تفاوت ہے۔

المختصر معجزۂ شق القمر سے متعلق زرقانی علی المواہب کی پانچویں جلد میں مذکور ہے کہ اس واقعہ کی روایت کئی ایک مقتدر صحابہ کرام نے کی ہے، ان میں خصوصی طور پر حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت حذیفہ بن یمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اسماء قابلِ ذکر ہیں۔

شق القمر سے متعلق یوں تو راویوں کی کمی نہیں مگر ان تمام روایات میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت جو ترمذی شریف کے علاوہ صحیحین شریفین میں موجود ہے سب سے زیادہ درجۂ استناد وحجت رکھتی ہے کیوں کہ اس عظیم الشان معجزہ کا آپ نے خود مشاہدہ فرمایا تھا۔

نہ صرف یہ کہ چاند بلکہ سورج بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اطاعت گذار رہا۔ اس سلسلے میں دو انتہائی اہم ایمان افروز حدیثیں ملتی ہیں۔ ایک حدیث جو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس میں سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر سورج کے ٹھہر جانے کا ذکر ہے اور دوسری حدیث جو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کردہ ہے اس میں سورج کے ڈوب جانے کے بعد پلٹ آنا مذکور ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم وہ دو حدیثیں نذرِ قارئین کریں ایک اشکال کا دور کرنا بہت ضروری ہے۔ بعض لوگ بڑی جسارت سے اس حدیث کا انکار کر جاتے ہیں جو صحیح البخاری میں مرقوم نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ صحیح البخاری کے علاوہ اور بھی معتبر مستند کتب حدیث موجود ہیں۔ علاوہ ازیں امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلے میں محدثین نے فرمایا ہے کہ ربّ قدیر نے آپ کو ایسی بے مثال قوتِ حافظہ عطا فرمائی تھی کہ آپ کو چھ لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں مگر بخاری شریف کے اندر دیکھا جائے تو مع شمولیت مکررات نو ہزار بیاسی حدیثیں مذکور ہیں اور اگر مکررات سے صرف نظر کیا جائے تو پھر حدیثوں کی تعداد تین ہزار سے کم بنتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جن حدیثوں کو امام بخاری نے اپنی مایۂ ناز تصنیف صحیح البخاری میں بیان نہیں فرمایا دیگر محدثین نے ان میں سے کل نہ سہی بیشتر

حدیثیں اپنی اپنی تصانیف میں شامل کی ہوں گی۔

بات یہ نہیں کہ فلاں حدیث بخاری شریف میں ہو تو مانیں بلکہ کوئی بھی حدیث اگر موضوع نہیں ہے اور وہ بخاری شریف کے علاوہ دیگر کتب حدیث یا دیگر معتبر و مستند کتابوں میں موجود ہو تو اس سے قطعی طور پر صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ یہی تقاضۂ ایمان ہے ورنہ حدیثوں کا انکار لازم آئے گا۔ جو بلا شبہ داعی غضب الٰہی اور موجبِ ہلاکت ہے۔

جہاں تک حکم نبی پر سورج کے ٹھہرنے اور پلٹ آنے والی حدیثوں کا تعلق ہے یہ حدیثیں پندرہ مسلّم محدثین کی مستند و معتبر کتابوں میں جلوہ ریز ہیں۔ جن میں حضرت امام ابو جعفر طحاوی، امام طبرانی، امام حاکم، قاضی عیاض، علامہ خطیب بغدادی، علامہ قسطلانی اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسی قابل استناد شخصیات بھی ہیں۔

اب آئیے یہ حدیث جو سورج کے ٹھہر جانے سے متعلق ہے سماعت فرمائیے۔ "عن جابر انّ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر الشمس فتاخرت ساعۃ من النھار" یعنی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورج کو حکم دیا کہ کچھ دیر کے لئے چلنے سے رک جا تو وہ فوراً رک گیا۔

زرقانی کی پانچویں جلد اور شفا شریف کی پہلی جلد میں اس واقعہ کے پیش آنے کا منظر نامہ یوں مذکور ہے کہ جب کفارِ مکہ کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظیم الشان معراج کا علم ہوا تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے آپ کی تکذیب کی کہ جب محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے کبھی بیت المقدس کا سفر کیا ہی نہیں تو پھر کیسے مان لیا جائے کہ وہ رات کے مختصر حصّے میں نہ صرف یہ کہ بیت المقدس دیکھ آئے بلکہ آسمانوں کے اوپر سے بھی گذر آئے۔ قریش میں کئی ایک رؤسا تھے جنہوں نے ایک بار نہیں بلکہ متعدد بار بیت المقدس کو دیکھا تھا انہیں بڑا سنہری موقع مل گیا اور لوہا گرم ہوتے دیکھ کر سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بغرض امتحان بیت المقدس سے متعلق گوناگوں سوالات کئے مثلاً یہ بتائیے کہ بیت المقدس کی دیواریں کیسی ہیں؟ اس کے دروازے کتنے ہیں؟ اس کی محرابوں کا خدوخال کیسا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایسے موقع پر ربِّ کائنات نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہِ نبوت کے سامنے بیت المقدس کا من وعن مکمل ڈھانچہ اس طرح رکھ دیا کہ آپ بیت المقدس کو عین اپنے روبرو ملاحظہ فرماتے ہوئے کفارِ مکہ کے تمام سوالات کے ایسے شافی ووافی جوابات دیئے کہ وہ سب کے سب انگشت بہ دنداں اور ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی تصویر بنے رہ گئے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ کفارِ مکہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنے اس قافلے سے متعلق تفصیلاً جاننا چاہا جو ملک شام سے مکہ مکرمہ لوٹ رہا تھا۔ آپ نے برجستہ ارشاد فرمایا ہاں میں نے تمہارے اس قافلے کو بیت المقدس کے راستے میں دیکھا ہے اور تم سب مطمئن رہو وہ بروز بدھ صحیح سلامت مکۃ المکرمہ پہنچ جائے گا۔

چنانچہ زرقانی جلد ۵ رصفحہ ۱۱۶ رمیں درج ہے کہ: جوں ہی بدھ کا دن آیا کفارِ مکہ بڑی تعداد میں اپنے گھروں سے نکل کر بیرونِ شہر اپنے قافلے کی آمد کا شدت سے انتظار کرنے لگے۔ وقت اپنی رفتار سے گزرتا رہا حتیٰ کہ آفتاب عالم تاب شفق کی گود میں روپوش ہونے لگا یعنی بدھ کا دن ختم ہوا چاہتا تھا اور وقت شام جلوہ بار ہونے کے لئے اپنے پر تول رہا تھا۔ رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمانِ عالی شان کے مطابق بدھ کے دن قافلے کو لوٹنا تھا مگر دور دور تک قافلے کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ کفارِ مکہ خوشیوں میں اُچھل کود کر رہے تھے کہ معاذ اللہ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا کہنا غلط ہو گیا اور ان کا دعویٔ سفر بیت المقدس بے دلیل ہو کر رہ گیا۔ کفارِ مکہ بالکلیہ اس امر سے نابلد تھے کہ جو بات اللہ کے محبوب دانائے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے نکل جاتی ہے۔ وہ پتھر کی لکیر ہو جاتی ہے۔ ثانیاً یہ کہ بھلا خدا کو کیسے گوارا ہو کہ اس کے محبوب کی زبان فیض ترجمان سے صادر ہوا کوئی قول غلط ہو جائے اور کفارِ مکہ اس کی تکذیب میں کامیاب ہو جائیں۔ حضرت یونس بن بکیر حضرت ابن اسحاق سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کو غروب آفتاب کی بات معلوم ہوئی تو آپ نے فوراً بارگاہ خدائے لم یزل میں حبس الشمس یعنی سورج کو ٹھہرا دینے کی دعا کی۔ نتیجتاً خالق کائنات نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعائے لطیف کو مستجاب فرماتے ہوئے آفتاب کو غروب ہونے سے روک کر ایک گھڑی دن میں اضافہ فرما دیا۔ یعنی اس وقت تک سورج افق میں ٹھہرا رہا جب تک کہ کفار مکہ کا قافلہ صحیح سلامت واپس نہ آ گیا۔

یاد رہے کہ مذکورہ حبس الشمس والا معجزہ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے خاص نہیں ہے۔ تفسیر جلالین میں سورۂ مائدہ کی تفسیر کے ضمن میں مرقوم ہے کہ آپ کی بعثت کے صدیوں پہلے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے خلیفۂ اجل حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے ذریعہ اس معجزے کا ظہور اس وقت ہوا جب آپ بیت المقدس میں قوم جبارین کے ساتھ مصروف جہاد تھے۔ اس کا پس منظر کچھ اس طرح ہے کہ جمعہ کا دن تھا۔ قوم جبارین کے ساتھ گھمسان کی جنگ جاری تھی۔ ابھی جنگ ختم نہیں ہوئی تھی کہ آفتاب غروب ہونے لگا۔ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے سوچا کہ اگر آفتاب غروب ہو گیا تو ہفتے کا دن شروع ہو جائے گا اور شریعت موسوی میں ہفتہ کے دن جنگ کی ممانعت ہے تو اسی بنیاد پر آپ نے خداوند قدوس کی بارگاہ میں حبس شمس کی دعا فرمائی اور آپ کی دعا اس طرح قبول ہوئی کہ سورج اس وقت تک ٹھہرا رہا جب تک کہ فتح و کامرانی آپ کے قدم ناز سے سرفراز نہ ہو گئی۔

جہاں تک بعد غروب آفتاب کے پلٹ آنے کا تعلق ہے یہ معجزہ بلاشبہ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے، آپ سے پہلے کسی بھی نبی سے یہ معجزہ صادر نہیں ہوا، اس عظیم الشان معجزے سے متعلق شفا مع نسیم الریاض کی تیسری جلد میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ایسی حدیث مندرج ہے کہ آپ نے غروب کے بعد آفتاب کو طلوع ہوتے بذات خود مشاہدہ فرمایا تھا۔ ذیل میں پوری حدیث نذر قارئین ہے:

عن اسماء بنت عمیس انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یوحیٰ الیہ ورأسہ فی حجر علی فلم یصل حتیٰ غربت الشمس فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اصلیت یا علی قال لا فقال اللھم انہ فی طاعتک وطاعۃ رسولک فاردد علیہ الشمس قالت اسماء بنت عمیس فرأیتھا غربت ثم رأیتھا طلعت وقفت علی الجبال والارض وذالک بالصھباء فی خیبر۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سر مقدس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آغوش میں تھا اور اس وقت آپ پر نزول وحی کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت علی نے نماز عصر ادا نہیں فرمائی تھی یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی سے استفسار فرمایا کہ کیا تم نے نماز عصر ادا کر لی؟ انہوں نے جب نفی میں جواب دیا تو سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خداوند قدوس کے حضور دعا فرمائی یا اللہ! چونکہ علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے اس لئے ان سے نماز عصر فوت ہو گئی، لہٰذا تو ان کی خاطر دوبارا آفتاب طلوع فرما دے تا کہ وہ نماز عصر ادا کر لیں، حضرت اسماء بنت عمیس ارشاد فرماتی ہیں کہ میں نے خود مشاہدہ کیا کہ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کا ایسا فوری اثر مرتب ہوا کہ آفتاب بعد غروب اس طرح پلٹ آیا کہ اس کی کرنیں پہاڑوں میں اور زمینوں پر منتشر ہو گئیں، اس واقعے کا ظہور مقام صہبا میں ہوا جو خیبر سے متصل ہے۔

بلاشبہ یہ سب حضور اکرم ﷺ کی نورانیت کی جلوہ سامانیاں ہیں کہ خداوند قدوس کی ہر مخلوق آپ کو نہ صرف یہ کہ جانتی پہچانتی ہے بلکہ آپ کی اطاعت گذاری بھی کرتی ہے۔ احادیث معتبرہ و مستندہ میں اس قسم کے ہزاروں واقعات گوہر گرانمایہ کی طرح درخشاں ہیں۔ یہ سرکار ابد قرار ﷺ کی فقید المثال نورانیت ہے کہ آپ آگے، پیچھے، اوپر، نیچے اور اندھیرے اجالے میں یکساں دیکھتے تھے صرف یہی نہیں بلکہ دل کی کیفیات بھی آپ سے مخفی نہیں جیسا کہ بخاری شریف ج ۱ ص ۱۰۲ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث یوں ہے کہ: ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ھل ترون قبلتی ھھنا

فواللہ ما یخفی علیّ خشوعکم و رکوعکم انی لارا کم من وّراء ظھری۔ یعنی رسول کائنات ﷺ نے فرمایا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میرا قبلہ یہ ہے بخدا مجھ پر تمہارا خشوع پوشیدہ ہے اور نہ رکوع، میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

ظاہر ہے خشوع دل کی کیفیت کا نام ہے اس سے بھلا کون واقف ہو سکتا ہے یہ سرکار دو عالم ﷺ کی نورانیت کا خاصہ ہے کہ آپ جہاں ظاہر کو ملاحظہ فرماتے ہیں وہیں باطن بھی آپ کی نگاہوں سے مخفی نہیں رہتا، یوں تو سرکار ابد قرار ﷺ کے نور ہونے میں بہت ساری حکمتیں کار فرما ہیں لیکن ان میں سے ایک اور انتہائی ایمان افروز حکمت یہ ہے کہ خداوند قدوس نے اپنے حبیب لبیب ﷺ کو نور کہہ کر آپ کی بیک وقت تین اہم صفتیں بیان فرمادیں یعنی آپ نور ہیں، منور ہیں اور منوّر بھی ہیں کیوں کہ اگر لفظ نور کو قواعد نحویہ کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ بات مسلم ہے کہ نور مصدر ہے اور مصدر جہاں اپنے معنی پر مستعمل ہوتا ہے وہیں اسم فاعل اور اسم مفعول کے معنی پر بھی، معلوم ہوا کہ سرور کائنات ﷺ صرف روشنی ہی نہیں بلکہ آپ سراپا روشن بھی ہیں اور پوری کائنات کو روشن کرنے والے بھی ہیں۔

نورانیت سے لبریز آپ کے حسن کا یہ عالم تھا کہ مشکوٰۃ شریف ص ۵۰۷ رکے اندر مندرج ہے کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی لیلۃ إضحیان فجعلت انظر الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والی القمر وعلیہ حلۃ حمراء فاذا ھو احسن عندی من القمر۔ یعنی میں نے سرور کائنات ﷺ کو چاندنی رات میں دیکھا تو کبھی میں سرکار کی سمت دیکھتا اور کبھی چاند کی سمت، حضور اس وقت سرخ لباس زیب تن کئے ہوئے تھے تو بالآخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ بلاشبہ آقا چاند سے بڑھ کر حسین ہیں۔ ■■■

ص ۳۰ رکا بقیہ ....

حسیب: تو جو لوگ میلاد النبی ﷺ منانے والوں کو غلط کہتے ہیں اور اعتراضات کرتے ہیں، اس کا مطلب ہے وہ لوگ خود غلطی پر ہیں؟

سعید: بلاشبہ غلطی پر ہیں، اصل میں میلاد النبی ﷺ کا نہ تو کوئی سچا مسلمان انکار کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو ایسا کرنے سے منع کر سکتا ہے۔

کیونکہ خود قرآن مومنوں کو حکم دیتا ہے: قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذالک فلیفرحوا۔ اے محبوب آپ فرمادیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر چاہیے کہ خوشی کریں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ کے فضل و رحمت پر خوشی کا اظہار کرنا حکم الٰہی ہے اور بیشک نبی کریم ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجنا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل عظیم ہے، لہٰذا حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری کے دن ہر جائز امور کا اظہار کرنا اس آیت پر عمل ہے، اس سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کا یوم ولادت منانا بدعت نہیں بلکہ مباح و مستحسن ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ آپ کی ولادت کی خوشی صرف سچے مسلمانوں کو ہی ہو سکتی ہے، دشمنوں اور مخالفوں کو نہیں بلکہ انہیں تو سخت صدمہ ہوگا، جیسا کہ خاص میلاد کے دن شیطان کو ہوا تھا۔ ■■■

از: ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری*

نورِ اوّل کا جلوہ ہمارا نبی

جب دنیا میں ہر طرف کردار و عمل کا اندھیرا تھا، کائنات کے چپے چپے پر ظلمت فکر و نظر کا ڈیرہ تھا، کفر و شرک، ضلالت و بدعت کی گھنگھور گھٹائیں فضائے دہر پر مسلط تھیں، جسم سے لے کر روح تک سب کے سب طغیان و عصیان کے تابع فرمان تھے، آدمی تو تھے مگر آدمیت مردہ تھی، انسان تھے مگر انسانیت رسوا تھی، ایک خدا کے بجائے تین سو ساٹھ خود ساختہ خداؤں کے آگے پیشانیاں خم تھیں کہ رب کی بندہ نوازی کو اپنے بندوں پر پیار آیا، رحمت کی گھٹا چھائی اور پھر اس شان سے کائنات کے ذرہ ذرہ پر برسی کہ دھرتی کا چپہ چپہ بارش نور سے جل تھل ہو اٹھا، حضرت عبداللہ کے آنگن میں نبوت کا سورج چمکا، حضرت آمنہ کے چمن میں رسالت کا گلاب کھلا اور ایسی انوکھی شان سے نور پاشی اور عطر بیزی کیا کہ فطرت آج تک گنگنارہی ہے۔

یوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی
یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بسا دیا

نور مطلق نے خاص اپنے نور سے اس پیکر رحمت کی تخلیق فرمائی، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے "تحقیق اللہ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا" اور شان اوّلیت میں کوئی فرق نہ آئے اس لئے سب سے پہلے پیدا فرمایا، حضور انور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "سب سے پہلی شے جو اللہ نے پیدا فرمائی وہ میرا نور ہے" حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی روح پاک نشاۃ روحانیہ میں آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل اپنے رب کے ہاں موجود تھی، اس نور پاک کی اتباع میں سب ملائکہ تسبیح کیا کرتے تھے۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اس نور پاک کو ان کی پشت مبارک میں ودیعت فرمایا اور وہ نور پاک پشت بہ پشت پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ رضی اللہ عنہما سے وہ نور اقدس صورت انسانی میں جلوہ گر ہوا، حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔

بزم آخر کا شمع فروزاں ہوا
نور اوّل کا جلوہ ہمارا نبی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد دنیا گمراہی کے دلدل میں پھنستی چلی گئی، ذہن و فکر کے صحرا میں ہر طرف برائیوں نے جھنڈے گاڑ دیئے، ظلم و عدوان کے شکنجے میں روح عدل گرفتار ہوتی چلی گئی، دنیا کسی ہادی و محسن کے لئے ترستی رہی اور بیکل دل سے نکلی دعائیں باب قبولیت پر ترستی رہیں کہ ۵۷۰ سال کے بعد کریموں کا کریم حضرت آمنہ کا در یتیم، کائنات آرزو بن کر بزم گیتی کو اپنے قدم ناز سے مشرف فرماتا ہے، پہلے ہوتا یہ تھا کہ ایک ایک زمانے میں کئی کئی رسول رسالت کا فیضان بانٹتے رہا، نبوت کی کرن ماحول کو بقعۂ نور بناتی رہی، ایک نبی کی نبوت کا چراغ ابھی روشن ہی تھا کہ دوسرے نبی تشریف لے آتے۔

لیکن جس دور میں حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے، تمام چراغ ہدایت گل ہو چکے تھے، نہ کسی نبوت کی روشنی موجود تھی اور نہ رسالت کی چاندنی، ایسے سراپا ظلمت اور مجسم ضلالت ماحول کو توحید کی گرمی سے گرمانے اور رسالت کی چمک سے چمکانے کے لئے "شمع ہدایت" کی نہیں "آفتاب رسالت" کی ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ نے ایسی

* مقالہ نگار جامعہ رضویہ پٹنہ کے مہتمم اور اہل سنت کے معروف قلم کار ہیں۔

بھیانک دنیا کی نورافروزی اور ہدایت اندوزی کے لئے آپ کی ذات کا انتخاب کیا اور نور مجسم بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ نے اپنے رب کے کرم سے اپنی منصبی ذمہ داریوں کو اس خوش اسلوبی سے نبھایا کہ وادی وادی، پربت پربت نغمۂ نور و سرور سے شرابور ہوگئی، حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔ ؎

چمک والے اجلوں میں چمکا کئے
اندھے شیشے میں چمکا ہمارا نبی

خود اللہ نور السمٰوٰت والارض نے ان کے نور ہونے کا اعلان فرمایا اور قرآن حکیم نے ''مصباح، مشکوٰۃ، زجاجہ، شجرۃ مبارکہ'' جیسے پرمعنی الفاظ کے ذریعہ بلیغ استعارہ میں ان کے ''نور'' اور ''جلوۂ نور'' کو جس طرح آشکار فرمایا ہے، یہ صرف اور صرف کتاب لاجواب ہی کا حق و حصہ ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مجھے یہ بتاؤ کہ آیت کریمہ میں کس نور کی مثال بیان کی گئی؟ حضرت کعب احبار نے کہا: آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک ﷺ کے نور پاک کی مثال بیان فرمائی، لہٰذا ''مشکوٰۃ'' سینۂ مصطفےٰ ﷺ ہے ''زجاجہ'' قلب رسول علیہ السلام کا نام ہے ''مصباح'' اس نور نبوت کی طرف اشارہ ہے جو حضور اکرم ﷺ کے دل پرنور میں ودیعت کیا گیا ہے اور ''شجرۂ مبارکہ'' سے مراد شجرۂ نبوت ہے اور وہ نور نبوت اس قدر واضح ہے کہ بغیر اعلان و اظہار کے ہر آدمی اسے محسوس کرسکتا ہے، جس لطافت سے قرآن کریم نے اس نور کی وضاحت کی ہے، اس سے زیادہ لطافت کے ساتھ اس کی وضاحت ممکن ہی نہیں ہے، حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔ ؎

شمع دل، مشکوٰۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لئے آیا ہے سورہ نور کا

کوئی یہ نہ خیال کرے کہ ایک طرف اتنی بڑی کائنات جس کی وسعت کا اندازہ لگانا مشکل ہے اور دوسری طرف سینۂ مصطفےٰ جو مختصر اور محدود ہے پھر ہر ذرہ، ہر قطرہ، ہر پتہ، ہر تارہ سے لے کر انفس و آفاق تک وہ نور کیسے اپنا فیض پہنچا سکتا ہے؟ تو یاد رکھنا چاہئے کہ سینۂ اقدس کی معنوی وسعت و فراخی کا عالم یہ ہے کہ پوری کائنات اس میں ذرہ کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ ؎

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پاسکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

صاحب تفسیر روح البیان ''الم نشرح صدرك'' کے تحت فرماتے ہیں: ہم نے آپ کے سینۂ اقدس کو اتنا وسیع کردیا ہے کہ عالم غیب اور عالم شہادت کو محیط ہوگیا ہے اور بات بھی قرین قیاس ہے کہ حضور اکرم ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں اور رحمت باری ہر شئی کو محیط ہے، لہٰذا رحمۃ للعالمین ﷺ ہر شئے کو محیط ہیں، معلوم ہوا کہ آسمانوں اور زمینوں کی وسعتیں سمٹ کر ایک طاق کی مانند ہیں اور مصباح نور نبی سے کائنات کا ذرہ ذرہ جگمگا رہا ہے، حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔ ؎

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

سینۂ پاک مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء جن اشیا کو محیط ہے، ان سب تک یہ نور ایسے ہی پہنچ رہا ہے جیسا کہ طاق کے ہر گوشے میں بتی کا نور پہنچتا ہے اور جس طرح تنگ مکان میں روشنی زیادہ ہوتی ہے، اسی طرح وہ نور پاک بھی اپنے کمال کو پہنچا ہوا ہے اور اس نور نے عالم غیب و شہادت کو منور کر رکھا ہے، سارے انبیا و اولیا نے انہیں کے نور سے بھیک وصول کی ہے، چاند و سورج، نجوم و کواکب انہیں کی تجلیات رخ انور کا عکس پیش کر رہے ہیں، حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔ ؎

لامکاں تک اجالا ہے جس کا وہ ہے
ہر مکاں کا اجالا ہمارا نبی

گویا حضور نور ہیں، سرتاپا نور ہیں بلکہ نورٌ علیٰ نورٌ ہیں مگر آنکھ والا ہی اس جوبن کا نظارہ کرسکتا ہے، اس نور کا علم و ادراک سوائے ہدایت رب کے ممکن ہی نہیں ہے۔ ؎

اللہ جسے توفیق نہ دے انسان کے بس کے کام نہیں
فیضان محبت عام تو ہے عرفان محبت عام نہیں

■■■

از: محمد خورشید عالم رضوی*

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی حیثیت

نازش علم وادب، فخر صحافت حضرت مدیر محترم ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عید میلاد النبی منانا کیسا؟ جائز ہے یا ناجائز؟ بدعت ہے یا کارثواب؟ اس سلسلے میں ہمارے واٹس ایپ پر "عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت پر چند سوالات اور اس کے جوابات" کے عنوان سے ایک تحریر آئی تھی، لیکن اس پر محرر کا نام درج نہیں، تحریر کی افادیت کے پیش نظر کچھ حذف واضافے اور ترتیب جدید کے ساتھ میں اسے آپ کے موقر رسالہ میں اشاعت کے لئے ارسال کر رہا ہوں، شائع فرما کر شکریہ کا موقع دیں، فقط والسلام مع الاکرام

محمد خورشید عالم رضوی

آفس انچارج: جامعۃ الزہرا آخدوم سرائے، سیوان، بہار

اکثر عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت سے متعلق طرح طرح کے لایعنی سوالات کئے جاتے ہیں اور عام مسلمانوں کے ذہن ودماغ کو پراگندہ کرنے کی ناپاک کوشش کی جاتی ہے، ذیل میں چند ایسے ہی سوالوں کے معقول جواب پیش کئے جاتے ہیں، جنھیں پڑھ کر حق جو اور حق پسند افراد کے لئے حق وباطل کی پہچان آسان ہو جائے گی۔

سعید: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حسیب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سنائیں آج کیسے صبح صبح آنا ہوا؟ لگتا ہے آج کام پر نہیں گئے؟

سعید: آج تو عید میلاد النبی ﷺ ہے اور پورے ملک میں چھٹی ہے۔

حسیب: اچھا تو ماشاء اللہ آپ آج عید منا رہے ہیں؟

سعید: تو کیا آپ نہیں منا رہے؟

حسیب: ہمیں تو بس دو ہی عیدیں معلوم ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔

سعید: یہ بھی تو عید ہی ہے۔

حسیب: اچھا تو بتائیں کہ اس عید کی نماز کہاں پڑھنے گئے تھے؟

سعید: اس عید کی نماز تو نہیں ہوتی۔

حسیب: تو یہ کیسی عید ہے؟

سعید: اصل میں آپ لفظ "عید" سے دھوکہ کھا رہے ہیں اور آپ کے ذہن میں یہ سوال آ رہا ہوگا کہ اگر یہ عید ہے تو پھر جس طرح عید الفطر وعید الاضحیٰ میں نماز پڑھتے ہیں، اس طرح اس دن کیوں نہیں پڑھتے؟

حسیب: جی کچھ ایسی ہی بات میرے ذہن میں تھی کہ جب اس کی نماز وغیرہ کچھ نہیں ہے تو پھر یہ کیسی عید ہوئی؟

سعید: آپ پہلے لفظ "عید" کا مطلب سمجھ لیں پھر آپ کو یہ بات سمجھ میں آ جائے گی کہ "جس دن خوشی کا اظہار کیا جاتا ہو" یا یوں کہیں کہ "جس دن خوشی منائی جاتی ہو" اور "اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جاتا ہو" ہم اسے "عید" کہتے ہیں۔

حسیب: ہاں یہ سب کام تو عید کے دن بھی ہوتے ہیں تو کیا قرآن وحدیث میں کسی اور دن کے لئے بھی "عید" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں؟

سعید: جی ہاں! بالکل استعمال ہوئے ہیں جیسا کہ جمعہ کے دن کو بھی بعض روایتوں میں "عید" کہا گیا ہے، اسی

*ترتیب کار جامعۃ الزہرا آخدوم سرائے، سیوان، بہار کے آفس انچارج ہیں۔

اسلامیات

طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لئے جس دن آسمان سے دسترخوان نازل ہوا اس دن کو بھی ''عید'' کہا گیا ہے، امید ہے کہ اب آپ عید میلاد النبی ﷺ کا مطلب سمجھ گئے ہوں گے؟

حسیب: جی وہ تو ٹھیک ہے مگر میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا مطلب ہے؟

سعید: ''میلاد'' عربی میں ''پیدائش'' کو کہتے ہیں، جس طرح انگلش میں Birth کہا جاتا ہے تو عید میلاد النبی ﷺ کا مطلب ہوا نبی ﷺ کی پیدائش کی خوشی جسے ولادت مصطفیٰ ﷺ، جشن ولادت، میلاد مصطفیٰ ﷺ وغیرہ مختلف الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔

حسیب: جی اب میں عید میلاد النبی ﷺ کا مطلب سمجھا، ہم تو عید کا مطلب یہ سمجھتے تھے کہ جس طرح عید الفطر و عید الاضحیٰ میں نماز پڑھی جاتی ہے، اس دن بھی یہ سب ہوگا تو عید ہوگی ورنہ نہیں جبکہ آپ نے سمجھایا کہ جس دن اللہ کی کوئی نعمت ملے اور خوشی منائی جائے تو گویا کہ وہ عید ہی ہوئی جیسا کہ آج کل ہم عام طور پر کسی کام کے ہوجانے یا کچھ فائدہ حاصل ہو تو کہتے ہیں کہ ''آج تو عید ہوگئی'' ہاں اب سمجھ گیا۔

سعید: جی محاورتاً اسی طرح کہا جاتا ہے، ویسے لفظ ''عید'' پر اعتراض کرنا کوئی عقلمندی کی نشانی نہیں ہے۔

حسیب: جی یہ بات تو سمجھ میں آگئی لیکن کیا قرآن میں میلاد النبی ﷺ منانے کا حکم دیا گیا ہے؟

سعید: کیا قرآن میں میلاد النبی ﷺ منانے سے منع کیا گیا ہے؟

حسیب: میں نے خود پڑھا یا سنا تو نہیں ہے کہ منع کیا گیا ہو۔

سعید: تو پھر منانے میں حرج ہی کیا ہے؟

حسیب: اصل میں کسی نے مجھے میسج کیا تھا کہ عید میلاد النبی ﷺ منانا کیسا؟ اس میں لکھا ہوا تھا کہ اسلام میں صرف دو عیدیں ہیں، عید میلاد النبی ﷺ کا قرآن و حدیث میں کوئی ثبوت نہیں، یہ تو دین میں اضافہ ہے وغیرہ وغیرہ، اس لئے میں نہیں منا رہا۔

سعید: کیا کوئی مسلمان دین میں اضافہ کرسکتا ہے؟ یا ایسا سوچ بھی سکتا ہے؟

حسیب: استغفر اللہ نہیں بھائی نہیں۔

سعید: تو یہ سب شیطانی وسوسے ہیں، اچھا آپ یہ بتائیں کہ نبی کریم ﷺ وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں مسجد نبوی میں محراب تھی؟

حسیب: نہیں۔

سعید: قرآن کے تیس پارے بنے ہوئے تھے؟

حسیب: نہیں۔

سعید: قرآن پر نقطے تھے؟

حسیب: نہیں۔

سعید: بخاری شریف، مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف وغیرہ حدیث کی کتابیں تھیں؟

حسیب: نہیں۔

سعید: تو کیا یہ دین میں اضافہ ہے؟

حسیب: بالکل دین میں اضافہ ہے بھائی۔

سعید: نہیں! ایسا نہیں ہے۔

حسیب: کیوں؟

سعید: کیا اسلام وشریعت میں ان کاموں کا حکم دیا گیا ہے؟

حسیب: منع بھی تو نہیں کیا گیا۔

سعید: جی بالکل! تو کیا یہ شریعت میں اضافہ ہوا؟

حسیب: آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟

سعید: میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ بقیہ دو عیدوں کے علاوہ میلاد النبی ﷺ کا بھی اسلام وشریعت میں ایک مقام و مرتبہ ہے اور اس کے فضائل سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں، خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا: انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں سے اور نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ سے بیان فرمایا۔ بقیہ ص ۲۶ پر

از: حافظ محمد ہاشم قادری٭

ماں کی لازوال محبت! ایک دن کی محتاج کیوں؟

اللہ رب العزت کی تخلیق میں انسان کو بہت اہمیت حاصل ہے، یقیناً ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا فرمایا اور اس میں عورت کی پیدائش کا ذکر یوں پہلے فرمایا:

اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت پیدا کرتا ہے جو چاہے جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے یا دونوں ملا دے، بیٹے اور بیٹیاں اور جسے چاہے بانجھ کر دے، بے شک وہ علم و قدرت والا ہے۔

[القرآن، سورہ شوریٰ، آیت ۴۹، ۵۰، ترجمہ کنزالایمان]

اللہ نے پیدائش کے ذکر میں بیٹی کا ذکر پہلے فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ بیٹی جو آگے عورت کا روپ دھارن کرتی ہے اور پھر ماں اللہ کے نزدیک بھی اہمیت کی حامل ہے، ماں کا روپ اللہ تبارک اللہ کی طرف سے وہ خوبصورت عطیہ ہے جس میں اللہ نے اپنی رحمت، فضل و کرم، برکت، راحت اور عظمت کی آمیزش شامل فرما کر عرش سے فرش پر اتارا اور اس کی عظمتوں کو چار چاند لگا دیا، قدموں تلے جنت دے کر ماں کو مقدس اور اعلیٰ مرتبہ پر فائز کر دیا، ممتا کے جذبے سے سرشار اور وفا کا پیکر اور پرخلوص دعاؤں کے اس روپ کی خوبیوں کو بیان کرنا سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے، ماں اللہ رب العزت کا ایسا عطیہ ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں جو اللہ تعالیٰ کے بعد اپنی اولاد کے دل کا حال بہت جلد جان لیتی ہے، اولاد کے دل میں کیا چل رہا ہے ماں سے زیادہ بہتر کوئی نہیں جانتا۔

اللہ نے قرآن کریم میں بہت سی جگہوں پر والدین کا ذکر اپنے ذکر کے ساتھ فرمایا ہے: وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔ اور یاد کرو جب لیا تھا ہم نے پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے (اس بات کا) نہ عبادت کرنا بجز اللہ کے اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا۔ [القرآن سورۃ البقرہ، آیت ۸۳]

دوسری جگہ ارشاد باری ہے: وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْــٴًـا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔ اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو۔ [سورہ نساء، آیت ۳۶]

والدین کی عظمت کا ثبوت اس سے بڑا اور کیا ہو سکتا ہے کہ رب نے اپنے اسم جلالت کے ذکر کے ساتھ والدین کی خدمت کا حکم دیا ہے، ماں کی عظمت کا بھی اعلان فرمایا: وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا۔ اور ہم نے آدمی کو حکم کیا کہ اپنے ماں باپ سے بھلائی کرے، اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا تکلیف سے اور جنا (پیدا کیا) اس کو تکلیف سے اور اسے اٹھائے پھرنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینہ میں۔ [سورۃ احقاف، آیت ۱۵، ترجمہ کنزالایمان]

ماں باپ اگرچہ کافر ہوں مگر ان کی خدمت اولاد پر لازم ہے کیونکہ والدین کا حکم مطلق ہے، رب تعالیٰ نے فرمایا اور یہ بھی معلوم ہوا حق الخدمت ماں کا زیادہ ہے کیونکہ ماں کی تکلیف کا بیان ہے اور یہ کہ ماں نے بچہ کو خون پلا کر (خون سے ہی دودھ بنتا ہے) پالا اور باپ نے محنت کر کے کمائی کی اور پرورش کی، ماں اگر بچہ کی پرورش نہ بھی کر سکے جب بھی حق مادری اس کا بچے پر لازم ہے، (جیسے بیماری یا کوئی تکلیف پر) کیونکہ یہاں پیٹ میں نو ماہ رکھنے اور جننے (پیدا کرنے) کی تکلیف کو وجہ بتایا گیا نیز ماں اگر خاوند سے اجرت لے کر بھی بچے کو پالے جب بھی ماں کا حق اولاد پر قائم رہے گا جیسے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے فرعون سے اجرت لے کر پالا اور پرورش فرمائی۔ [تفسیر نور العرفان، صفحہ ۸۰۳]

٭مضمون نگار مسجد باجرہ رضویہ اسلام نگر، کپالی، جمشید پور، جھارکھنڈ کے خطیب و امام ہیں۔

اسلامیات

ماں کا حق کوئی ادا نہیں کر سکتا

ماں باپ کا یہ ادب ہے کہ ان کی خدمت جان و مال دونوں طرح سے کرے، ایسا نہ ہو کہ خدمت کرے اور ان کو پائی پائی کے لئے ترسائے اور ایسا بھی نہ ہو روپے پیسے کی بوچھار کرے اور بات کرنے، خدمت کرنے کا روادار نہ ہو، ان کی خدمت کے لئے نوافل کو ترک کر سکتا ہے، فرائض و واجبات نہیں، ایک بار ایک صحابی رسول حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میں نے اپنی ماں کو اپنے کاندھوں پر بٹھا کر حج کروایا ہے، کیا میں نے ماں کا حق ادا کر دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، تو نے ابھی اپنی ماں کی ایک رات کے دودھ کا حق بھی ادا نہیں کیا ہے۔

ماں کا حق باپ کے حق سے زیادہ ہے

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: عورت پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ فرمایا: شوہر کا، میں نے عرض کیا: اور مرد پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ فرمایا: اس کی ماں کا، بسند حسن حاکم نے اسے روایت کیا ہے۔ [جلد ۵٦، صفحہ ۲۰۸، الحدیث ۷۳۲۴]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ کون اس کا مستحق ہے کہ میں اس کے ساتھ نیک رفاقت (خیر خواہی) کروں؟ فرمایا: تیری ماں، عرض کیا پھر؟ فرمایا: تیری ماں، عرض کیا پھر؟ فرمایا: تیری ماں، عرض کیا پھر؟ فرمایا: تیرا باپ۔ امام بخاری اور مسلم نے اپنی صحیح میں اسے روایت کیا ہے۔ [جلد ۴، صفحہ ۹۳، الحدیث ۵۹۷۱]

چند احادیث اور ملاحظہ فرمائیں، پڑھ کر عمل کریں، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: (۱) میں آدمی کو وصیت کرتا ہوں اس کی ماں کے حق میں (۲) میں وصیت کرتا ہوں اس کی ماں کے حق میں (۳) میں وصیت کرتا ہوں اس کی ماں کے حق میں (۴) میں وصیت کرتا ہوں اس کی ماں کے حق میں (امام احمد اور ابن ماجہ اور حاکم، بیہقی شریف نے، سنن میں ابو سلالہ سے اسے روایت کیا ہے۔ [جلد ۵، صفحہ ۲۰۸، الحدیث ۷۳۲۵]

ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا، کیا میں بھی جہاد میں شریک ہو جاؤں؟ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تمہارے ماں باپ موجود ہیں، انہوں نے کہا کہ جی ہاں موجود ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پھر انہیں میں جہاد کرو، یعنی ان کی خدمت کرو۔ [صحیح بخاری، حدیث ۵۹۷۲]

ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے تم پر ماں کی نافرمانی حرام کر دی ہے اور (والدین کے حقوق) نہ دینا اور ناحق ان سے مطالبات کرنا بھی حرام قرار دیا ہے، لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا (بھی حرام قرار دیا ہے) اور قیل و قال (فضول باتیں) کثرت سوال اور مال کی بربادی کو بھی ناپسند کیا ہے۔ (بخاری باب والدین کی نافرمانی بہت ہی بڑے گناہ میں سے ہے۔ [الحدیث ۵۹۷۵]

ماں کی تکلیف کا بیان قرآن مجید میں

علما فرماتے ہیں کہ "حق خدمت" ماں کا زیادہ ہے اور "حق اطاعت" حکم بجالانا باپ کا زیادہ ہے، اسی لئے آقا ﷺ نے فرمایا کہ جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے اور رب نے فرمایا: اور ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے بارے میں فرمایا: اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا کمزوری جھیلتی ہوئی اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے، یہ ہے کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا، آخر مجھ ہی تک آنا ہے۔ [سورۂ لقمان، آیت ۱۴، ترجمہ کنز الایمان]

اور دردِ زِہ ولادت کی تکلیف کا ذکر فرمایا، اسی سے معلوم ہوا کہ ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے کہ باپ نے مال سے بچے کو پالا اور ماں نے خون سے، علما فرماتے ہیں، حق خدمت ماں کا زیادہ ہے اور حق اطاعت حکم بجالانا باپ کا زیادہ ہے، اسی لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے اور فرمایا تو اور تیرا مال باپ کا ہے، اللہ نے اپنے ساتھ ماں باپ کا ذکر فرمایا کیونکہ وہ ہمارا رب ہے اور ماں باپ ہمارے مربی، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز پڑھ کر رب کا شکر ادا کرو اور نماز کے بعد ماں باپ کے لئے دعائیں

مانگو۔ [تفسیر نورالعرفان، صفحہ ۵۳-۴۵۲]

مدرس ڈے منانا فیشن یا ماں کی انمول محبت کا مذاق؟

ماں کی ممتا کو ایک دن میں سمیٹنا ماں کی محبت کی توہین ہے، ماں کی لازوال انمول محبت کو ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم کیسے ماؤں کی محبت، خلوص اور شفقت کو بھول کر سال میں صرف ایک دن اس کے نام کر دیں کون سا کمال ہے، پوری زندگی، پوری زندگی کا ہر سال، سال کا پورا مہینہ، مہینہ کا ہر دن اور دن کا ہر ہر لمحہ ماں کے نام ہونا چاہئے، مدرس ڈے تو اغیار کی روایت ہے جہاں نہ رشتوں کا تقدس ہے اور نہ ہی کوئی اہمیت ہے، جہاں اولاد صاحب حیثیت ہونے کے باوجود اپنے ماں باپ کو بے وقعت سمجھنے لگتے ہیں اور ماں کی قربانیوں اور پرخلوص محبت کو ٹھوکر مار کر ''اولڈ ایز ہاؤس'' میں رکھ دیتی ہے اور سال میں ایک دن اپنی ماں اور باپ کے نام کر کے اپنے فرض سے منھ پھیر لیتے ہیں، لیکن بحیثیت مسلمان ہماری یہ روایت نہیں ہے، اللہ و رسول کی طرف سے ماں کی محبت و شفقت کے مجسم روپ کو عزت و تکریم دینے کی تلقین کی گئی ہے اور ماں کی محبتوں اور خلوص کی پاسداری کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور سب سے بڑھ کر ہمیں ماں باپ کے آگے اف تک کرنے سے منع کیا گیا ہے، ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارے لئے اپنی ماں سے پیار کے اظہار کے لئے کوئی ایک دن مخصوص کرنا غلط ہے بلکہ ہر دن اور لمحہ اپنی ماں کی خدمت اور خیال رکھنے کے لئے ہونا چاہئے کیونکہ ماں سے پیار کے لئے کوئی ایک مخصوص دن کسی جذبے کا محتاج نہیں ہے بلکہ ہر دن ہر آن ماں کے لئے ہونا چاہئے، اسی میں دنیا و آخرت میں ہماری کامیابی ہے۔

والدین کے لئے ہماری ذمہ داریاں

قرآنی آیات و احادیث طیبہ سے معلوم ہوا کہ والدین میں ماں کا مقام و مرتبہ افضل و اعلیٰ ہے مگر یہ فضیلت کن چیزوں میں ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ''الحقوق لطرح العقوق'' اور فتاویٰ رضویہ میں بڑے نفیس انداز میں وضاحت فرمائی ہے، لکھتے ہیں: اس زیارت کے یہ معنی نہیں کہ خدمت میں ، دینے میں باپ پر ماں کو ترجیح دے، مثلاً سو روپے ہیں اور کوئی خاص وجہ مانع تفضیل (فوقیت، فضیلت) مادر نہیں تو باپ کو ۲۵/روپے دے اور ماں کو ۷۵/روپے دے اور اسی طرح اگر ماں باپ دونوں نے ایک ساتھ پانی مانگا ہے تو پہلے ماں کو پلائے پھر باپ کو یا پھر دونوں سفر سے آئے ہیں، پہلے ماں کے پاؤں دبائے پھر باپ کے۔

خبر دار خبر دار

اگر والدین میں تنازع ہو، جھگڑا ہو تو ماں کا ساتھ دے کر باپ کو تکلیف نہ دے یا اس کی بے ادبی کرے معاذ اللہ! آنکھ ملا کر بات نہ کرے، یہ سب باتیں حرام ہیں، معصیت (گناہ) ہیں، نہ ماں کی اطاعت ہے نہ باپ کی تو اسے ماں باپ میں کسی کا ایسا ساتھ دینا ہرگز ہرگز جائز نہیں، وہ دونوں یعنی ماں باپ اس کی جنت و نار ہیں، خوش کیا تو جنت ناراض کیا کسی ایک کو تو جہنم کا مستحق ہوگا، معصیت خالق میں کسی کی اطاعت جائز نہیں، مثلاً اگر ماں چاہتی ہے کہ یہ باپ کو آزار (تکلیف) پہنچائے اور اولاد نہیں مانتی تو ماں ناراض ہو جائے گی ہونے دے، ایسا ہی باپ چاہتا ہے تو ہرگز ہرگز نہ مانے، ایسی ناراضگیاں کچھ قابلِ لحاظ نہیں کہ یہ ان کی زیادتی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوگی، علمائے کرام نے یوں تقسیم فرمائی ہے کہ خدمت میں ماں کو ترجیح دے جس کی مثالیں قرآن و احادیث میں ہیں اور ہم اوپر لکھ آئے ہیں اور تعظیم باپ کی زائد کرے کہ وہ اس کی ماں کا بھی حاکم و آقا ہے۔ [الحقوق صفحہ ۳۶]

جب والدین میں سے ہر ایک کی رعایت مشکل ہو جائے مثلاً ایک کی اطاعت سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے تو تعظیم و احترام میں باپ مقدم ہے اور خدمت میں والدہ مقدم ہوگی، حتیٰ کہ اگر گھر میں دونوں اس کے پاس آئیں تو باپ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جائے اور دونوں نے پانی مانگا اور کسی نے اس کے ہاتھ سے پانی نہیں پکڑا تو پہلے والدہ کو پانی پیش کرے، زندہ ہوں تو آسان زندگی کے لئے، انتقال ہو گیا ہو تو مغفرت کی دعا کرے اور درجات کی بلندی کی دعا کرے، ماں جیسی عظیم نعمت کی ہمیشہ قدر کرنی چاہئے، اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں والدین کی قدر و عزت اور خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین، ثم آمین!

■■■

از: علامہ وحید احمد خاں قادری بریلوی*

رحمۃ للعالمین ﷺ

قند مکرر

قند مکرر کے عنوان سے ایک نئے کالم کا آغاز کیا گیا ہے، جس کے تحت حالات کے موافق اور افادیت سے بھرپور اکابرین اہل سنت کی قدیم تحریریں دوبارہ شائع کی جائیں گی، اس شمارے میں نبیرۂ حافظ الملک حضرت علامہ وحید احمد خاں قادری بریلوی علیہ الرحمہ کی تحریر شائع کی جا رہی ہے جس کی پہلی قسط "رحمۃ للعالمین" کے عنوان سے ماہنامہ یادگار رضا بریلی شریف کے ماہ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ اور آخری قسط ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ کے صفحات پر آج بھی اپنی اہمیت و افادیت کی خوشبو بکھیر رہی ہے، تحریر پڑھ کر بے اختیار زبان سے نکلتا ہے ع ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی {فاروقی}

سنہ آخر رحمۃ للعالمین
ز محرومان چرا فارغ نشینی

دنیا کی نیرنگیاں اور زمانے کے انقلابات کچھ اس طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ عقلیں متحیر رہ جاتی ہیں مگر نفس انسانی کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ کسی امر کے واقع ہونے کے بعد اس کے اسباب پر بحث کی جاتی ہے اور دلائل و براہین سے ثابت کر دیا جاتا ہے کہ اس امر کا واقع ہونا ان اسباب کی وجہ سے (جو اس کی تہ میں مخفی تھے اور جو آہستہ آہستہ اپنا کام کر رہے تھے) ایک امر ناگزیر تھا۔

منطق کا اصول ہے کہ ہر واقعہ سے پہلے اس کے چند اسباب ہوتے ہیں بلاشبہ صحیح ہے، لیکن ان اسباب کا علم ہم عصروں کو نہیں ہوتا یا اگر ہوتا ہے تو حجاب غفلت ان علتوں کے دفع کرنے میں حارج ہوتا ہے اور آخر کار وہ امر جو متاخرین کی نظروں میں ان اسباب کی ضروری الوقوع تھا، واقع ہو جاتا ہے، معاصرین حیران رہ جاتے ہیں اور تاریخ دنیا کا ورق الٹ جاتا ہے۔

تاریخ عالم کو نظر تعمق سے مطالعہ کرنے والا اس قسم کی بہت سی مثالیں پیش کر سکتا ہے، یوروپ میں نپولین کا عروج و زوال، فرانس کا انقلاب اعظم، جرمنی و اٹلی کی پستی و ترقی، پاپائیت کا زوال ایسے امور ہیں جن کی تہ میں متعدد اسباب پنہاں ہیں، اسی طرح ایشیا میں قوموں کی پیدائش و فنا اور خصوصیت کے ساتھ اسلامی فتوحات و شکست ہمارے موضوع کو اچھی طرح واضح کرتے ہیں، ہم کو اس وقت ان تمام واقعات کے اسباب و علل پر بحث کرنا مقصود نہیں بلکہ صرف اتنا واضح کرنا ہے کہ کسی واقعہ کے وقوع سے قبل جو اسباب اپنا کام کرتے ہیں اگر ان کا علم معاصرین کو ہو اور وہ اس کے دفعیہ میں کوشش بلیغ کریں تو "السعی منی والاتمام من اللہ" کے اصول کے ماتحت وہ امر واقع نہ ہو۔

اس وقت اسلام ہر طرف خطرہ میں نظر آتا ہے، اگر ہندوستان پر مغربیت غالب ہے تو ترکی بھی اس سے محفوظ نہیں، اگر ایک طرف اسلامی روایات کو حقیر بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے تو دوسری طرف اسلامی عمارات کو جو اسلامی ترقی و تمدن[۱] کے ظاہر کرنے والی ہیں اور جو مسلمانوں کے سواد اعظم کے نزدیک متبرک خیال کی

۱ عمارات کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ اپنے بنانے والے کے کیریکٹر کو ظاہر کرتی ہیں، کسی قوم کا تمدن، اس کی تہذیب و تعلیم، اس کی اولوالعزمی، ان چیزوں سے ظاہر ہوتی ہے جو وہ بطور یادگار چھوڑ دیتی ہے۔ مثلاً ہندوستان افغان بادشاہوں کی عمارات اس وقت کے تمدن کو ظاہر کرتی ہیں، قطب مینار کو دیکھئے اس کی بلندی و شان و شوکت سے افغان بادشاہوں کی بلند حوصلگی عیاں ہے، جس کی شہادت تاریخ میں موجود ہے، اس کے مقابلہ میں شاہان مغلیہ کی عمارات ملاحظہ کیجئے، ان کا کیریکٹر، ان کا طرز معاشرت کچھ اور ہے، یہ ٹھیک ہے کہ جہاں تک فن تعمیر کا تعلق ہے مغل عمارات خوبصورت، سڈول اور شاندار ہیں اور فارسی و ہندوستانی اثرات کو خوب ظاہر کرتی ہیں لیکن پہلی عمارات سے نمایاں فرق ہے، وجہ یہ ہے کہ پٹھان بادشاہ دنیا کے فتح کا عزم رکھتے ہیں جس کی نمایاں مثال علاء الدین خلجی اور محمد بن تغلق کے واقعات سے ظاہر ہے، شاہان مغل ہندوستان اور قندھار پر قانع رہے یہی خصوصیت ان کی تعمیرات سے بھی نمایاں ہے۔ یہ موضوع "فلسفۂ تاریخ" سے تعلق رکھتا ہے جو حسب موقع ان شاء اللہ تعالیٰ درج رسالہ ہوتا رہے گا۔ اس وقت اتنا ظاہر کرنا ہے کہ عمارات قطع نظر اس کے کہ وہ متبرک خیال کی جائیں، دوسرے پہلوؤں سے بھی قابل قدر چیز ہیں، اسلامی عمارات کو ڈھا کر نجدیوں نے نہ صرف مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے بلکہ اپنی بربریت و جہالت کا بھی پورا پورا ثبوت دے دیا ہے، مگر زیادہ تعجب ان تعلیم یافتہ حضرات کی عقلوں پر ہے جو نجدیوں کے ان جاہلانہ افعال کو نظر تحسین سے دیکھتے ہیں۔ وحید احمد عفی عنہ۔

* مضمون نگار حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں علیہ الرحمہ کے پوتے اور ایک بالغ نظر عالم دین تھے۔

جاتی ہیں نیز ظلم سے مسمار کیا جا رہا ہے، اگر ایک طرف اسلام کے زریں اصول جمہوریت و مساوات کو ذاتی مفاد کا آلہ بنایا جاتا ہے تو دوسری طرف اعلائے کلمۃ الحق کو گناہ کبیرہ خیال کر کے اس کے دبانے کی کوشش بے نہایت کی جارہی ہے۔

اس وقت سوال یہ ہے کہ اسلام کے تنزل کی حقیقی علت اور مسلمانوں کے قعر مذلت میں گرنے کی اصلی غایت کیا ہے؟ یہ ایک ایسا عظیم سوال ہے کہ جس غور و خوض کرنے کو انجمنیں بنتی ہیں، جلسے کئے جاتے ہیں، اخبارات میں رائے زنی کی جاتی ہے مگر مسلمانوں کی عقلوں پر وہ پردہ غفلت پڑا ہے کہ اٹھتا ہی نہیں، وہ فروعی باتوں میں بحث کر کے رہ جاتے ہیں، اصل مطلب پر گفتگو نہیں کرتے، مادیت پرست چاہے جو کچھ بھی اس کی علت تجویز کریں لیکن اسلام کی حقیقت کو سمجھنے والا اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مسلمانوں کی تمام خرابیوں کا اصلی راز ان کی اس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے توجہی اور ان کے احکامات کی طرف سے غفلت ہے جس نے اپنی عظیم رحمت کے سبب ان کے حصول ترقی کا راز قولاً فعلاً بتادیا، اگر آج اسلامی تعلیمات پر کاربندی کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کی قوم ذلت کی بجائے عزت اور محنت کی راحت کے منازل طے کر کے معراج کمال پر نہ پہنچ جائے۔

اسی اصول کو پیش نظر رکھ کر اور اسلامی تعلیمات کو بے کم و کاست مسلمانوں تک پہنچانے کے لئے جماعت رضائے مصطفیٰ نے یہ رسالہ جاری کرنے کا ارادہ کیا، اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو اہل سنت میں شائع اور ان کے واسطے مشعل ہدایت فرمائے، آمین۔

اس رسالے کا اس زمانے میں جاری ہونا بے شک رحمت ہے اور اس رحمت کا تعلق خاص رحمت مجسم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہے، اس لئے ہم نے خیال کیا کہ اپنا اوّل مضمون اس عنوان کے ساتھ ہونا بہتر ہے۔

رحمت ایک صفت کمال ہے اور اس کا مفہوم واقعات کے اعتبار سے جدا ہے، ایک بھوکے کو جو شدت گرسنگی کی وجہ سے مر رہا ہو، ایک ہزار کا چیک دے دینا رحمت نہیں بلکہ اس کے سامنے رکابی رکھ دینا یہی رحمت ہے بقول حضرت شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ۔ رع

شلغم پختہ بہ ز نقرۂ خام

اسی طرح پیاسے کے ساتھ رحمت ٹھنڈا پانی پلانا ہے نہ کہ انواع و اقسام کے طعام اس کے سامنے چننا؟ اسی طرح ایک تشنۂ علم کو کتابوں کی لائبریری ایک لاکھ روپئے سے زائد تسلی بخش اور اس کے واسطے رحمت ہے، تو رحمت نام ہوا اس چیز کا جو مقتضائے فطری کو پورا کرے، بھوکے کو کھانا، پیاسے کو پانی، طالب علم کو کتاب! یہ تمام چیزیں ہر فرد کی ایک خاص فطری طلب کو پورا کرتی ہیں، اس لئے ان کے واسطے یہی چیزیں رحمت ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ طلب کس طرح پیدا ہوتی ہے ہم نے اوپر اس کو آسانی کے لئے ''مقتضائے فطری'' سے تعبیر کیا ہے لیکن ہر فطری اقتضا کا کوئی سبب ضرور ہوتا ہے جس کو ماہر طب اور ماہر فلسفۂ نفس خوب جانتا ہے، آخر اس ''مقتضائے فطری'' کا سبب کیا ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ فرد کی کوئی طاقت یا قوت حد اعتدال سے بڑھ جاتی ہے، اس کو اعتدال پر لانے کے لئے مناسب حال اشیا کا بہم پہنچانا ضروری ہوتا ہے۔

مثلاً پیاس کا سبب حرارت کا اعتدال سے متجاوز ہونا ہے، لہٰذا اس کو کم کرنے کے لئے پانی درکار ہے، اسی طرح معمولی مثالوں سے گزر کر نفس انسانی کا مطالعہ کیجئے جب بھی یہی نکتہ واضح ہوگا کہ تشنۂ علم کو طلب علم کیوں ہوتی ہے؟ اس لئے کہ اس کا یہ جذبہ (کسی وجہ سے) دوسری قوتوں پر غالب آجاتا ہے اس کو اعتدال پر لانے کے لئے نہ صرف کتاب کا مہیا کرنا ضروری ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دوسری قوتوں کی تربیت بھی ضروری ہے ورنہ یہ جذبہ افراط پر پہنچ کر بجائے صفت کے نقص ثابت ہوگا۔

اس آخری مثال سے یہ واضح ہوگیا کہ مقتضائے فطری پورا کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ہر صورت میں طبیعت جس طرف مائل ہو وہی سامان بہم پہنچایا جائے، نہیں بلکہ یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ سامان مہیا کرنے سے اعتدال حاصل ہوگا یا نہیں؟ درصورت اوّل وہی سامان بہم پہنچانا ضروری ہے، جیسے پیاسے کو پانی! بر تقدیر آخر دوسری قوا کی تربیت ضروری ہوگی جیسے جذبۂ انتقام کہ اس کو اعتدال

پر رکھنے کے لئے سخت احتیاط کرنی ہوگی اور افراط وتفریط سے بچانا ضروری ہوگا تو ہماری تقریر کا ماحصل یہ نکلا کہ کسی چیز کو صحیح مرکز اعتدال پر لانا ہی رحمت ہے۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ بنی نوع انسان کے لئے کیا رحمت ہے؟ ہماری تقریر کی بنا پر نوع انسانی کے لئے رحمت یہی ہے کہ اس کو افراط وتفریط سے نکالا جائے اور معیار اعتدال پر لا کھڑا کیا جائے، افراط وتفریط کیا ہے؟ اگر غور سے دیکھا جائے تو تمام کفر و شرک اور تمام افعال قبیحہ افراط وتفریط کے اندر داخل ہیں، خدا کی ہستی کا انکار بڑی افراط ہے اسی طرح ہزاروں خداؤں کا پوجنا تفریط اعظم ہے، خدا کے بیٹا بیٹی ماننا بڑی افراط وتفریط ہے، اس کے بعد افعال شنیع بھی افراط وتفریط میں داخل ہیں، تو رحمت کا مفہوم یہ نکلا کہ وہ صفت ہے جس کا اقتضا یہ ہے کہ مرحوم کو اعتدال پر لا کر صراط مستقیم کی طرف رہبری کی جائے بلکہ اعتدال ہی صراط مستقیم ہے جس کی مفصل بحث علامہ دوانی نے ''اخلاق جلالی'' میں کی ہے۔

اس تمہید کو پیش نظر رکھ کر جب ہم رحمت مجسم ﷺ کی سیرت پاک کا مطالعہ کرتے ہیں تو مہر نیمروز کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ دنیا کو اس ذات گرامی نے کیسے اعتدال کی طرف رہبری کی اور حکیم حقیقی کے نائب سچے طبیب روحانی نے کس طرح عالم کی نبض شناسی کی، تاریخ اسلام کا ادنیٰ خادم بھی اس زمانہ کی بے اعتدالی سے واقف ہے جو قبل بعثت حضور اقدس ﷺ پھیلی ہوئی تھی، کسی جگہ ہزاروں خداؤں کی پرستش کی جاتی تھی، کہیں مطلقاً خدا کی ہستی کا انکار کیا جارہا تھا، کہیں اس کے اولاد مانی جاتی تھی غرض کہ کفر و شرک کی کوئی شاخ ایسی نہ تھی جس کے پیرو موجود نہ ہوں۔

اسی طرح ان کے اخلاق پر نظر کرو تو ظاہر ہوگا کہ وہ کیسی بے حیائی اور شرمندگی کا زمانہ تھا جس کو بیان کرتے ہوئے بے شرمی بھی شرما جاتی ہے، بات بات پر پر لڑنا، معمولی بات پر برسوں جنگ کا جاری رہنا ان کی طبیعت ثانیہ ہو چکی تھی، ان میں نہ جذبۂ ہمدردی باقی تھا نہ محبت ہمسایہ، نہ اخوت قومی اور نہ تعلقات مذہبی، مختصر یہ کہ کوئی عادت حسنہ ان میں موجود نہ تھی اگر اس زمانہ کو تاریکی، جہالت، نفس پرستی، خود غرضی، غرض ہر فعل قبیح کا گہوارہ کہا جائے تو نا مناسب نہ ہوگا، ایسی حالت میں رحمت الٰہی جوان کے شرک و کفر کی وجہ سے منقطع ہو چکی تھی، پھر جوش مارتی ہے، تاریکی اور جہالت کی گھنگھور گھٹائیں آفتاب فضل وہدایت سے پھٹ جاتی ہیں، دنیا انگڑائی لے کر اپنا بوسیدہ لباس پارہ پارہ کر ڈالتی ہے عالم روشن ومنور ہو جاتا ہے، کفر وشرک نیست ونابود ہو جاتے ہیں، غرض کہ صحیح معیار اعتدال پر آجاتی ہے یعنی رحمت مجسم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دنیا میں ورود مسعود ہوتا ہے اور عالم لبیک کہتا ہوا اپنے رحمت والے آقا کے قدموں پر گر پڑتا ہے۔

کیا رحمت فرمائی! رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دینا کے ساتھ؟ یہ کہ ان کو ایک خدا کا پرستار بنایا، یہ کہ جہالت دور فرمایا، یہ کہ عادات حسنہ ان میں بھر دیئے، یہ کہ افعال قبیحہ سے اس طرح ان کو نفرت دلائی کہ ان کے ارتکاب کا خیال تک ان کے دماغوں میں نہ رہا، غرض یہ کہ اعتدال کا وہ رنگ جمایا کہ دنیا اس کی نظیر نہ پیش کر سکی اور نہ کر سکے گی۔

یہی شان رحمت یعنی اعتدال پسندی حضور کی زندگی میں مختلف رنگوں سے ظاہر ہوئی کہیں شان جمال میں اور کہیں شان جلال میں، اگر شان جمال لیجئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کا ہر فعل رحمت خالص نظر آتا ہے، اپنی امت پر خصوصاً اور عالم پر عموماً شفقت ومحبت حضور کی زندگی کا ہر حصہ پیش کرتا ہے، کیا دنیا میں اس سے زائد رحمت کی مثال مل سکتی ہے؟ جس کی نظیر حضور نے تمام لڑائیوں میں پیش فرمائی، تمام عالم کی تاریخ کی ورق گردانی کر جایئے، ہر قوم کے پیشوا کی سوانح پڑھ جاؤ، ہر اس شخص کے واقعات زندگی پر غور کرو جس کو دنیا بڑا آدمی تسلیم کر چکی ہے۔

لیکن حضور اقدس ﷺ کے رویہ کی نظیر ہر گز نہ لا سکو گے، دنیا کی تاریخ کی کسی شاخ میں کوئی بشر اس شان رحمت کا نہیں ملتا، اس شان کا بیان مفسرین اور محدثین اپنی بے نظیر کتابوں میں بیان کر گئے، ہم چند واقعات پر اکتفا کرتے ہیں تا کہ مضمون طویل نہ ہو سکے اور ساتھ ہی ایمانی دلوں کے غنچے ان عطر بیز شمیموں کے نرم نرم جھونکوں سے شگفتہ ہو کر اپنے رحمت والے آقا پر درود وسلام نثار کریں اور ان کی تعلیمات پر کار بند ہونے کا عزم بالجزم کر سکیں۔

فکر امروز

احد کی لڑائی ہے، گھمسان کی جنگ ہو رہی ہے، اسلامی پروانے شمع بزم رسالت ﷺ کے گرد محویت کے عالم میں پھر پھر کے نثار ہو رہے ہیں، کفار تندی اور وحشیانہ طریقہ سے مقابلہ کر رہے ہیں، انھوں نے ذات گرامی کو نشانہ بنالیا ہے حتی کہ پائے مبارک میں تیر لگتے ہیں اور دندان مبارک شہید ہو جاتے ہیں، کیا کسی فرد بشر کا پائے ثبات ایسی حالت میں جادۂ استقامت پر قائم رہ سکتا ہے؟ دنیا کے نام آور بہادروں، جنرلوں اور فوجی افسروں کے سوانح میں بھی اس رویہ کی نظیر نہیں ملتی جو رحمت عالم ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا۔

تیروں کی بوچھار ہے زخم کھا رہے ہیں، جان تک خطرے میں ہے لیکن زبان پر یہی دعا جاری ہے کہ الٰہی میری قوم کو ہدایت فرما، اس لئے کہ وہ مجھ کو پہچانتی نہیں، اللہ اللہ! وہ جس کی حرکت لب اجابت وابستہ تھی اگر بددعا فرما دیتا جو ایسے وقت میں محتمل تھی تو کفار آن واحد میں غارت ہو کر رہ جاتے۔ لیکن ایک طرف تو شان جمال کا منظر دکھایا اور دوسری طرف قوم کو اسی اعتدال کی طرف رہبری کی جس کا بیان اوپر گزرا۔

غور کرو ہادی اور حقیقی معلم کی یہ شان ہے کہ کسی وقت تلقین امر الٰہی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا، جنگ کا میدان ہو یا خلوت خانہ، فتح کی خوشی ہو یا شکست کا افسوس! ہدایت و تعلیم میں فرق نہیں آتا اور رحمت و رافت کی وہی شان ہر حال میں نظر آتی ہے۔

اس معظم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پبلک زندگی سے قطع نظر کر کے جب ہم اس کی پرائیویٹ زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کی زندگی کا یہ رخ بھی وہی نقشۂ رحمت پیش کرتا ہے، کفار نے تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، راستہ میں کانٹے پھیلا دئے، رسی کے پھندے بچھا دئے، کمین گاہوں میں خبیث ارادوں سے بیٹھے، لیکن رحمت عالم نے ان کے ساتھ بھی رحمت ہی فرمائی۔

یہ ہے اسلامی اخلاق کا نمونہ جو تمہارے پیشوا نے پیش فرمایا، یہ ہے رحمت و رافت کی شان کمال او صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و صحبہ و بارك وسلم۔

■■■

ص ۳۹ / کا بقیہ ....

علیہ پیش کرتا ہوں جو ص ۵۱۱ پر مندرج ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ قال رسول اللہ ﷺ مثلی و مثل الانبیاء کمثل قصرٍ احسن بنیانہ ترك منہ موضع لبنۃٍ فطاف بہ النظار یتعجبون من حسن بنیانہ الا موضع تلك اللبنۃ فکنت انا سددت موضع اللبنۃ ختم بی البنیان و ختم بی الرسل وفی روایۃٍ فانا اللبنۃ و انا خاتم النبیین (متفق علیہ) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم نے ارشاد فرمایا میری اور دوسرے انبیاء کی مثال اس عمارت کی سی ہے، جو نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب ہو، لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی ہو، لوگ اس کے ارد گرد گھومتے ہوں اور عمارت کی خوبصورتی اور دیدہ زیبی پر خوش ہوتے ہوں لیکن ایک اینٹ کی جگہ خالی دیکھ کر حیرت زدہ ہوں، تو میں اس اینٹ کی جگہ پر کرنے والا ہوں اور اس عمارت (نبوت کی عمارت) کو مکمل کرنے والا ہوں اور میں ہی آخری نبی ہوں اور ایک روایت میں ہے تو میں ہی وہ اینٹ ہوں اور نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والا ہوں، جب سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سلسلۂ نبوت کی آخری اینٹ کی حیثیت سے عمارت نبوت کو مکمل فرمانے والے ہیں، تو اب کوئی دوسرا فرد آخر کیسے ہو سکتا ہے؟ جب کہ ایک روایت میں واضح طور پر یہ بھی موجود ہے کہ میں نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والا ہوں۔

اس حدیث پاک سے بھی واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی خاتم النبیین ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد دوسرے جدید نبی کا آنا یعنی پیدا ہونا ناممکن و محال بالذات ہے وقال اللہ تعالیٰ ھُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ۔ [پ ۲۷ / سورۂ حدید رکوع ۱۷]

امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

■■■

از: مفتی محمد ناظر اشرف قادری*

مسئلہ امتناع نظیر! ایک جائزہ

تعدد خاتم النبیین محال بالذات ہے، قدرت باری تعالیٰ عزاسمہٗ کا تعلق ممکنات وجائزات سے ہے، واجب لذاتہ اور محال بالذات سے ہرگز نہیں، خاتم النبیین کی مثیل ونظیر کا مفہوم یہ ہے کہ حضور نبی کریم، رؤف ورحیم، شفیع مذنبین، نور مبین ﷺ کا کوئی دوسرا فرد جمیع اوصاف کمالیہ میں سہیم وشریک ہو، اس کو تسلیم کرلینے کی صورت میں خبر الٰہی کا کذب لازم آئے گا اور کذب باری تعالیٰ عزاسمہٗ وجل جلالہ محال بالذات ہے، ارشاد ربانی ہے ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔

لہٰذا وصف خاتمیت میں شرکت من حیث ہی ناممکن ومحال بالذات ہے، المعتقد المنتقد ص ۱۲۸/ پر سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول عثمانی بدایونی علیہ رحمۃ الباری عزاسمہ فرماتے ہیں کہ: فکون النبی بعد خاتم النبیین ممتنعاً ذاتیاً و محالاً عقلیاً ظاھر۔ یعنی حضور خاتم النبیین ﷺ کے بعد کسی نبی کا ہونا ممتنع بالذات ومحال عقلی ظاہر ظہور ہے۔

المستند المعتمد بناء نجاۃ الابد، ص ۱۲۶/ پر امام اہل سنت مجدد اعظم قدس سرہ النورانی فرماتے ہیں کہ: ان بطل فی تعدد خاتم النبیین لان الآخر بالمعنی الموجود فھنا لا یقبل الاشتراک عقلاً۔ یعنی خاتم النبیین کے مفہوم میں تعدد کا امکان ذاتی بھی باطل ہے، اس لئے کہ آخر بالمعنی الموجود (فی الخارج) اس مقام میں عقلاً اشتراک کو قبول نہیں کرسکتا ہے۔

تہذیب، ص ۱۲/ پر علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمۃ والرضوان رقمطراز ہیں کہ: المفھوم ان امتنع فرض صدقہ علی کثیرین فجزئی والا فکلی۔ پھر اقسام کلی اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ: امتنعت افرادہ او امکنت ولم توجد او وجد الواحد فقط مع امکان الغیر او امتناعہ او الکثیر مع التناھی او عدمہ۔

(۱) یعنی کلی کی ایک قسم وہ ہے کہ خارج میں اس کے افراد کا وجود ممتنع بالذات ہو جیسے شریک باری تعالیٰ عزاسمہ۔

(۲) کلی کی ایک قسم وہ ہے کہ خارج میں اس کے افراد کا وجود ممکن ہو لیکن کوئی فرد نہ پایا جائے جیسے عنقاء۔

(۳) کلی کی ایک قسم وہ ہے کہ خارج میں اس کے بہت سے افراد ممکن ہوں مگر صرف فرد واحد ہی پایا جائے جیسے شمس وقمر۔

(۴) کلی کی ایک قسم وہ ہے کہ خارج میں صرف فرد واحد ہی پایا جائے، فرد واحد کے علاوہ دوسرے فرد کا وجود ممتنع بالذات ہو جیسے واجب الوجود۔

(۵) کلی کی ایک قسم وہ ہے کہ خارج میں اس کے افراد کثیر ہوں مگر متناہی ہوں جیسے خلفائے راشدین، ائمہ اربعہ۔

(۶) کلی کی ایک قسم وہ ہے کہ خارج میں اس کے افراد کثیر ہوں اور غیر متناہی ہوں اس کی دو صورتیں ہیں۔

(الف) تقف عند حد جیسے انسان، حیوان (ب) لا تقف عند حد جیسے معلومات باری تعالیٰ عزاسمہ۔

کلی کی متذکرہ بالا اقسام چھ میں منحصر ہیں اور یہ حصر استقرائی نہیں بلکہ حصر عقلی ہے مگر قسم رابع ایسی کلی ہے کہ فرد واحد ہی میں منحصر ہے، اس کے علاوہ دوسرے فرد کا وجود ممتنع بالذات ہے (اگرچہ "امکنت" کے تحت داخل اور امکنت "امتنعت" کے مقابل، لیکن اس مقام پر امکان سے مراد امکان عام مقید بجانب الوجود ظاہر یعنی سلب ضرورت عدم اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے فرد کا عدم ممتنع الانفکاک ہے، تو ثابت ہوا کہ واجب الوجود لذاتہ فرد واحد میں منحصر ہے)

خاتم النبیین بھی کلی کی اسی قسم رابع میں داخل ہے کہ فرد واحد

*مضمون نگار دارالعلوم اعلیٰ حضرت، ناگپور مہاراشٹرا کے بانی وناظم اعلیٰ ہیں۔

کے سوا کوئی دوسرا فرد خاتم النبیین نہیں ہوسکتا ورنہ خاتم النبیین، خاتم النبیین نہیں رہے گا جیسے واجب الوجود کے سوا، اگر کوئی دوسرا فرد واجب الوجود ہو یعنی دوسرا خدا ہو تو واجب الوجود، واجب الوجود نہیں رہے گا، ارشاد ربانی ہے: لَوْ کَانَ فِیْہِمَآ اٰلِہَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا۔ (پ ۱۷ ر کوع ۲) لہٰذا ثابت ہو گیا کہ حضور اکرم نور مجسم ﷺ کی مثیل و نظیر جملہ اوصاف کمالیہ میں ناممکن و محال بالذات ہے۔

توضیح بلیغ و تنقیح انیق کے طور پر یوں سمجھئے کہ اگر سید العالمین ﷺ کے علاوہ کوئی دوسرا وجود سید العالمین ﷺ کی مثیل و نظیر مان لیا جائے، تو دو حال سے خالی نہیں؟ یعنی وہ دوسرا وجود خاتم النبیین ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں؟ تو خاتم النبیین کا انحصار فرد واحد میں لازم آیا اور اگر وہ دوسرا وجود بھی خاتم النبیین ہو، تو بر ایں تقدیر سید العالمین ﷺ خاتم النبیین ہوں گے یا نہیں؟ اگر نہیں؟ تو پھر بھی خاتم النبیین کا انحصار فرد واحد میں لازم آیا اور اگر دونوں خاتم النبیین تسلیم کئے جائیں، تو دونوں ساتھ ساتھ ہوں گے یا یکے بعد دیگرے؟ اگر ساتھ ساتھ ہو تو دونوں میں معیت پائی جائے گی، اسی لئے دونوں میں سے کسی فرد پر خاتم النبیین پر اطلاق درست نہیں ہوگا (اس لئے کہ آخر ایک ہی ہوگا) اور اگر یکے بعد دیگرے ہوں تو یہ دوسرا وجود سید العالمین ﷺ کے بعد ہوگا یا پہلے؟ اگر دوسرا وجود بعد کو ہو، تو سید العالمین ﷺ خاتم النبیین نہیں ہوں گے (تکذیب کلام باری تعالیٰ لازم) اور پھر بھی خاتم النبیین کا انحصار فرد واحد میں لازم آیا اور اگر پہلے ہو تو یہ وجود ثانی خاتم النبیین نہیں ہوسکتا، لہٰذا اس صورت میں خاتم النبیین کا انحصار فرد واحد میں لازم آیا تو بہر حال یہ تسلیم کئے بغیر چارۂ کار نہیں کہ خاتم النبیین صرف اور صرف فرد واحد ہی میں پایا جاسکتا ہے۔ فرد واحد کے سوا کسی دوسرے فرد کا وجود خاتم النبیین کے لئے قطعاً ناممکن و محال بالذات ہے اور قرآن عظیم سے ثابت ہے کہ حضور ہادی اعظم، کریم السجایا، جمیل الشیم، نبی البرایا، شفیع الامم ﷺ، ہی خاتم النبیین ہیں، تو لا محالہ ماننا پڑے گا کہ سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مثیل و نظیر محال بالذات ہے۔

منزہ عن شریك فی محاسنہ
فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

دیوبندیوں کا یہ کہنا کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، لہٰذا حضور اکرم ﷺ کی تمثیل، و نظیر پر بھی قادر ہے ورنہ قدرت میں کمی آجائے گی، یہ جہالت و سفاہت پر مبنی ہے اور عقیدۂ اہلسنت کے صراحتاً خلاف ہے، کیونکہ کتب عقائد میں مصرح ہے کہ ممتنعات اور واجبات اللہ تعالیٰ کے زیر قدرت نہیں، صرف ممکنات و جائزات زیر قدرت ہیں، اس لئے کہ جو امور زیر قدرت ہیں یا تو من جھۃ الایجاد ہیں یا من جھۃ الاعدام اور "ممتنعات" اگر من جھۃ الایجاد، زیر قدرت تسلیم کئے جائیں، تو وہ ممتنعات نہیں رہیں گے بلکہ ممکنات میں داخل ہو جائیں گے اور اگر "ممتنعات" من جھۃ الاعدام، زیر قدرت تسلیم کئے جائیں تو تحصیل حاصل لازم آئے گی، کیونکہ وہ سب معدوم ہی رہیں گے اور یہ دونوں محال ہیں، و بعکسہ یجری فی الواجب۔

یہ بات خوب ذہن نشین کرلیں کہ اگر "ممتنعات" تحت قدرت باری تعالیٰ داخل نہیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کا عجز لازم نہیں آتا اور نہ قدرت کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ "ممتنعات" میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ وہ تحت قدرت داخل ہوں، بلکہ کمال قدرت یہی ہے کہ "جمیع ممتنعات" دائرۂ قدرت سے خارج ہوں مثلاً جیسے خوشبو کو دیکھ نہیں سکتے، تو اس سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ آپ کی نظر میں ضعف ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خوشبو میں صلاحیت ہی نہیں کہ اس کو آنکھ دیکھ سکے، اسی طرح اگر سید العالمین ﷺ کی مثیل و نظیر تحت قدرت باری تعالیٰ نہ ہو تو اس سے قادر مطلق کا عجز ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس میں تحت قدرت ہونے کی صلاحیت ہی نہیں، مزید معلومات کے لئے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مجدد اعظم قدس سرہٗ کے فتاوے اور خصوصاً اجزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ، سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

میں اب آخر میں صرف ایک متفق علیہ حدیث بحوالہ مشکوۃ شریف باب فضائل سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ بقیہ ص ۴۷ پر

از: ڈاکٹر امجد رضا امجد*

درود و سلام
پر ایک نئے اعتراض کا محققانہ جائزہ

درود وسلام اہل ایمان کی روحانی غذا ہے، بیمار دلوں کے لئے شفا ہے، دافع رنج والم ہے، یہ عمل کائنات کی پیدائش سے ہی جاری ہے اللہ رب العزت بھی اپنے محبوب پہ درود بھیج رہا ہے اس کے فرشتے بھی بھیج رہے ہیں، کتنا بابرکت عمل ہے یہ اور کیا شان محمدی ہے کہ ان پہ اللہ بھی درود بھیج رہا ہے، اس کے فرشتے بھی بھیج رہے اور مومن بندوں سے بھی فرمایا جا رہا ہے یٰایہا الذین آمنو صلو اعلیہ۔ اے مومنو تم بھی درود بھیجو وسلمو ا تسلیما۔ اور ان پر خوب سلام بھیجو۔

کب بھیجو، کتنا بھیجو، کس طرح بھیجو، اس کی وضاحت نہیں کی گئی بلکہ اسے ایمان والوں کے پاکیزہ جذبہ پہ چھوڑ دیا گیا، جتنا چاہو اتنا بھیجو، جس وقت چاہو، اس وقت بھیجو اور جس طرح چاہو اس طرح بھیجو، کھڑے ہوکر چاہو اجازت ہے، بیٹھ کر چاہو کوئی رکاوٹ نہیں، لیٹ کر چاہو کوئی ممانعت نہیں، دنیا کی کوئی کتاب اور دنیا کا کوئی عالم خواہ وہ کسی بھی عہد کا ہو، اس نے درود وسلام کا نہ عدد متعین کیا نہ وقت کا تعین کیا اور نہ درود وسلام پڑھنے کی حالت کی کوئی قید لگائی، لگا بھی نہیں سکتا ہے کہ جب قرآن نے اسے پڑھنے والے کی حالت وقت اور کیفیت پہ چھوڑا ہے تو کسی کو کسی ایک حالت میں مقید کرنے یا کسی حالت پہ اعتراض کرنے کی جرأت کیسے مل سکتی ہے اور جو جرأت کر رہا ہے، وہ رب کی منشا کا مخالف ہے، اس کے مقصد کا مخالف اور اس کے حکم کا مخالف ہے، پروردگار عالم نے آیت میں حکم درود وسلام کو نماز روزہ اور حج کی طرح وقت وحالت اور عدد سے اس لئے مقید نہیں فرمایا کہ بندہ جب چاہے، جتنا چاہے اور جس حالت میں چاہے آداب ملحوظ رکھتے ہوئے، میرے محبوب ﷺ پہ درود وسلام بھیجے، مگر آج کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کا بندہ اور اپنے نبی کا امتی ہوکر کچھ لوگ وہ ہیں جو رب کی منشا ومرضی کے مطابق درود وسلام پڑھنے والے کو نشانۂ تنقید بناتے ہیں انھیں بدعتی اور مشرک کہتے ہیں۔

عجیب دور ہے دیوانے نبی کے لئے
ہر ایک ہاتھ میں پتھر دکھائی دیتا ہے

ان ہی درود وسلام مخالفین میں ایک صاحب ہیں جن کا مضمون "درود وسلام مسئلہ قیام پہ تناظر اسلام" روزنامہ پندار (۵ر اپریل ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا ہے) مضمون میں ایسا کچھ نہیں کہ اس کا جواب دیا جائے، کوئی نئی بات، نیا سوال اور نیا حوالہ ہو تو جواب دیا جائے، ہر بات اور ہر سوال کا تفصیلی جواب قرآن واحادیث کی روشنی میں اتنی بار دیا گیا ہے کہ اس کا بوجھ اٹھانے سے ان کی پوری جماعت قاصر ہے پھر انہی سوالوں کا مزید جواب دینا تکرار جواب کے سوا کیا ہے مگر بعض احباب مصر ہیں کہ مضمون نگار کا پندار علم کتنا ہے اور ان کے دعوے میں سچائی کتنی ہے عوام کے سامنے آنا چاہئے، اسی تناظر مضمون کے بعض پیراگراف کا تنقیدی جائزہ حاضر ہے۔

آیت کا مفہوم قرآنی

سورۂ احزاب کی آیت (بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی ﷺ پہ اے مومنو تم بھی درود وسلام بھیجو) میں مذکور لفظ "صلوٰۃ" کو مضمون نگار نے انتساب کے اعتبار سے مختلف المعنی لکھا ہے اور یہ وہ بات ہے، جو مدرسہ کا ابتدائی طالب علم بھی جانتا ہے اور دل اگر محبت رسول ﷺ سے سرشار ہے تو یہ یقین بھی رکھتا ہے کہ لفظ "صلوٰۃ" انتساب کے اعتبار سے اگرچہ مختلف المعنی ہے مگر مفہوم ومقصود کے اعتبار سے متحد المعنی ہے، یعنی صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو، فرشتے کی طرف ہو یا بندوں کی طرف، تمام معانی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان

*مضمون نگار مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ بہار کے نائب قاضی اور ارشاد پٹنہ کے چیف ایڈیٹر ہیں۔

رفیع ہی ظاہر ہوتی ہے اور یہی آیت کے نزول کا مقصد ہے۔

چنانچہ تفسیر ابی سعود میں ہے: یصلون علی النبی: قیل الصلاۃ من اللہ الرحمۃ۔ یعنی اللہ تعالیٰ درود بھیجتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رحمت نازل فرماتا ہے، بخاری شریف میں ہے: صلاۃ اللہ تعالیٰ علیہ ثنائہ عند الملٰکیہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا درود یہ ہے کہ وہ فرشتوں کی محفل میں اپنے محبوب کا تذکرہ فرماتا ہے، کب سے فرمارہا ہے اور کس طرح فرمارہا ہے، اس کیفیت کو کوئی نہیں بتا سکتا، دل بینا اس نورانی منظر کا تصور کرسکتا ہے اور بس! فرشتوں کے درود بھیجنے کا مطلب کیا ہے۔

تفسیر ابی سعود ہی میں ہے: ومن الملٰیکۃ الاستغفار مضمون نگار نے اس کا مفہوم ان الفاظ میں لکھا ہے، یعنی فرشتوں کے درود بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ ''وہ بارگاہ عالیہ میں آپ ﷺ کے لئے ترقی درجات کے طلب گار ہیں'' اور صلوٰۃ کی نسبت جب بندوں کی طرف ہو تو کیا معنیٰ ہوگا؟ مضمون نگار نے خود ہی لکھا ہے ''صلوٰۃ کی نسبت جب بندۂ مومن کی طرف ہوگی تو مدح وثنا خوانی اور دعا کا مجموعہ مراد ہوگا'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرمارہا ہے کہ تم میرے محبوب کی مدح وثنا بیان کرو، مدح وثنا کا مطلب حضور ﷺ کی تعریف وتوصیف، ان کی صورت وسیرت کا تذکرہ ہی تو ہے، اب اگر کوئی نعت پاک پڑھ رہا ہے، میلاد النبی یا سیرت النبی کے جلسے کر رہا ہے، مختلف صیغوں اور مختلف زبانوں میں درود وسلام بھیج رہا ہے تو یہ سب اسی حکم قرآن پر عمل ہے، آیت کا اطلاق بتا رہا ہے کہ اس حکم کو کسی زبان، صیغہ، یا ہیئت سے خاص کر دینا منشا الٰہی نہیں، یہ صلوٰۃ یعنی مدح وثنا جس زبان، انداز اور صیغے سے ہو سب حکم ربی میں شامل ہے۔

جماعت اہل حدیث کی ''تفسیر احسن البیان'' میں ہے ''آیت پاک سورۂ احزاب کی ہے اس آیت میں نبی ﷺ کے اس مرتبہ ومنزلت کا بیان جو ملأ اعلیٰ (آسمانوں) میں آپ کو حاصل ہے اور وہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں میں آپ کی ثنا وتعریف کرتا اور آپ پر رحمتیں بھیجتا ہے اور فرشتے بھی آپ کے بلندی درجات کی دعا کرتے ہیں اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے عالم سفلی (اہل زمین) کو حکم دیا کہ وہ بھی آپ صلوٰۃ وسلام بھیجیں تاکہ آپ کی تعریف میں علوی اور سفلی دونوں عالم متحد ہوجائیں۔[حافظ صلاح الدین یوسف، لاہور]

اس وضاحت سے یہ بات آئینہ کی طرح صاف ہوجاتی ہے کہ ''صلوٰۃ'' کا انتساب خدائے تعالیٰ یا، فرشتہ وبندہ کسی کی طرف ہو، اس کا مفہوم متحد المعنیٰ ہے، اس لئے مضمون نگار کا اپنے مفروضے کو ثابت کرنے کے لئے انتساب کے اعتبار سے صلوٰۃ کو مختلف المعنیٰ بتانا، اس ذہنیت کے علاوہ کچھ نہیں کہ درود وسلام کے حوالے سے مسلمانوں کے اذہان کو مشکوک بنا دیا جائے۔

بندوں کے درود وسلام کی حقیقت

قارئین نے ملاحظہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے کا معنی یہ ہے کہ وہ فرشتوں کے درمیان آپ کی تعریف وثنا بیان فرماتا ہے اور ہم بندے جب درود وسلام بھیجتے ہیں تو اس کا معنی کیا ہوتا ہے، درود وسلام کے معنی پر غور کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ بندہ کی اس سے زیادہ بساط نہیں کہ وہ جب درود بھیجنا چاہے تو خدا کی بارگاہ میں یہ دعا کرے اللھم صل علی محمد۔ اے اللہ میری طرف سے تو درود بھیج، اللھم صل وسلم علیہ۔ اے اللہ! میری طرف سے تو اپنے محبوب پہ درود بھیج اور سلامتی نازل فرما۔

ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ بندہ اپنے نبی ﷺ کی رفعت شان اور حقیقت وعظمت جانتا ہی نہیں، عام بندے تو بہرحال عامی ہیں، خلفائے راشدین اور دیگر صحابۂ کرام تک کسی نے بھی سرکار ﷺ کی حقیقت وعظمت کو نہیں پہچانا، حدیث پاک میں سرکار ﷺ کا فرمان موجود ہے لم یعرفنی حقیقۃ غیر ربی۔ میری حقیقت میرے رب کے علاوہ کسی نے جانا ہی نہیں، جب امت اپنے نبی کی حقیقت کما حقہ جانتی ہی نہیں تو وہ کما حقہ درود کیا بھیج سکے گی، اس لئے حکم ہوا بندو! تمہارا درود وسلام یہی ہے کہ تم مجھ سے عرض کرو کہ اللہ میری طرف سے تو ہی اپنے محبوب ﷺ پہ درود وسلام نازل فرما، تاکہ میں اپنے محبوب پہ ان کی شان کے مطابق درود وسلام بھیجوں۔

مودودی کا حوالہ

مضمون نگار نے اس آیت کی تفسیر میں ہمارے خلاف

مودودی کو بطور حوالہ پیش کیا ہے، شاید جناب کو معلوم نہیں کہ ان کے اکابرین نے مولانا مودودی کو مسلمانوں کے لئے مہلک اور زہر قاتل بتایا ہے، اس لئے اطلاعاً عرض کروں کہ دار العلوم دیو بند سے اس موضوع پر باضابطہ ایک فتویٰ شائع ہوا تھا جس میں موٹی موٹی یہ چار سرخیاں تھیں (۱) سہارن پور سے مودودی فتنہ کو مٹادو (۲) مودودی تحریک مہلک اور زہر قاتل ہے (۳) مودودی کے ہم خیال گمراہ ہیں (۴) مودودیوں کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔

اس کے خلاف جب جماعت کے امیر ابو اللیث ندوی نے احتجاج کیا تو حسین احمد مدنی نے جواب میں لکھا کہ ''آپ کی تحریک ایک نیا اسلام بنانا چاہتی ہے اور اسی کی طرف لوگوں کو کھینچتی ہے، اس لئے میں مناسب جانتا ہوں کہ مسلمانوں کو اس تحریک سے علاحدہ رہنے اور مودودی صاحب کے لٹریچر کے نہ دیکھنے کا مشورہ دوں۔''

اگر مضمون نگار کو واقعہ کی صحت کے لئے ثبوت درکار ہو تو وہ ''مکتوبات شیخ الاسلام'' جلد ۲ رص ۷۷ ۳ ر ملاحظہ فرمالیں، کمال ہے اس کے باوجود آپ اساطین امت کا حوالہ دینے کی بجائے مودودی کی پناہ ڈھونڈتے ہیں۔

اب رہی بات مودودی صاحب کے پیش کردہ حوالہ کی! تو ان کا فرمان ہمارے نظریہ کے خلاف نہیں بلکہ مؤید ہی ہے، انہوں نے کثرت درود کو دین محمدی سے گہرے تعلق اور نعمت ایمان کی قدر کا پیمانہ قرار دیا ہے، زحمت نہ ہو تو اپنی پیش کردہ عبارت کو پھر سے ملاحظہ کرلیں، عبارت ہے ''کثرت درود ایک پیمانہ ہے جو ناپ کر بتادیتا ہے کہ دین محمد ﷺ سے ایک آدمی کو کتنا گہرا تعلق ہے اور نعمت ایمان کی کتنی قدر اس کے دل میں ہے''، تعجب ہے جس کثرتِ درود کو مودودی دین محمدی سے گہرے تعلق کی علامت بتارہے ہیں، اسی کے خلاف آپ بیان بازی بھی کررہے ہیں، بیچارے سنی مسلمانوں پر یہی تو الزام ہے کہ آیت کریمہ کی عمویت پر عمل کرتے ہوئے صبح میں، شام میں، رات میں، دن میں، جلوت میں، خلوت میں، مجلس میں، محفل میں، اجلاس میں، کانفرنس میں، نماز سے پہلے، نماز کے بعد، درود وسلام کی کثرت کرتے ہیں، یہ کثرتِ درود تو ان مسلمانوں کے دین سے گہرے تعلق اور نعمت ایمان کی قدر کی پہچان ہے، اب اپنے ہی حوالہ کا معنیٰ مفہوم آپ نہیں سمجھے تو آپ سے اللہ کے علاوہ کون سمجھے، شاید اسی موقع کے لئے مرزا غالب نے کہا تھا۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

مضمون نگار نے ''صلوٰۃ'' کے معنیٰ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''آخرت میں جب انبیاء علیہم السلام کی زبانیں نفسی نفسی پکار رہی ہوں گی، ایسے جاں گداز وقت میں آپ ﷺ کو مقام محمود اور شفاعت کبریٰ کا مقام وقیع عطا فرمایا۔''

سیدھے سادے مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی مثال، اس سے بڑی اور کیا ہوگی کہ جب جہاں جیسی مصلحت در پیش ہو، ویسی ہی بات کرکے نکل جاؤ، ان کی پوری جماعت سرکار ﷺ کی شفاعت کا انکار کرتی آئی ہے، آج بھی ان کا موقف یہی ہے، انہیں اپنی طرح بشر سمجھتی ہے، مرکر مٹی میں مل جانے کا عقیدہ رکھتی ہے، انہیں مختار نہیں معاذ اللہ مجبور سمجھتی ہے، جب وہ اپنی بیٹی فاطمہ کے کام نہیں آئیں گے تو امتی کے کیا کام آئیں گے؟ جن کا وظیفہ ہے اور مضمون نگار یہاں کس ڈھٹائی سے حضور ﷺ کو شفاعت کبریٰ کا حامل بتارہے ہیں؟ عقیدے کا یہ تضاد ان کی پوری جماعت پہ حاوی ہے اور اسی متضاد فکروں پر ان کے ایمان وعقائد کی پوری عمارت کھڑی ہے، اگر مضمون نگار کا یہ عقیدہ صحیح ہے تو پھر وہ اپنے اکابر علمائے دیوبند کے عقیدے پر کیا حکم شرعی نافذ کرتے ہیں، اس کی وضاحت ضرور کریں تاکہ اس تضاد بیانی کا معمہ حل ہوسکے۔

مسئلہ سلام کا اسلامی جائزہ

درود کی طرح سلام بھی حکم قرآن ہے اور صلوا علیہ (ان پہ درود بھیجو) کے بعد سلموا تسلیما (ان پہ خوب سلام بھیجو) کا الگ مطالبہ ہے، اسی لئے سلام کی فضیلت اور اس کا تذکرہ بھی احادیث میں کثرت سے آیا ہے، چنانچہ نسائی، دارمی اور مسند احمد

بن حنبل میں ہے: ان للملئکۃ سیاحون فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں، دلائل الخیرات میں ہے: اسمع صلوٰۃ اھل محبتی واعرفہ۔ میں اپنے محبت کرنے والوں کا سلام خود سنتا ہوں اور انہیں پہچانتا بھی ہوں۔

درود وسلام براہ راست حضور ﷺ تک پہنچتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک ﷺ کو یہ فضیلت عطا فرمائی ہے کہ آپ اپنی امتیوں کا سلام اپنی ظاہری حیات اور وصال فرمانے کے بعد دونوں حالتوں میں خود سماعت فرماتے ہیں، حدیث پاک ہے: لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صوتہ حیث کان و بعد وفاتی ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء (ابن قیم، جلاء الفہام۔ سخاوی، القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع)

قارئین ان احادیث کو ملاحظہ فرمائیں اور سوچیں کہ کیا حضور ﷺ امتیوں کا درود وسلام سننے کے لئے فرشتوں کے محتاج ہیں؟ خود سماعت فرمانے اور فرشتوں کے ذریعہ پہنچنے میں فرق صرف محبت کا ہے، جو اہل دل محبت رسول کے جذبے میں سرشار ہوکر درود وسلام پڑھا کرتے ہیں، انہیں حضور ﷺ خود سماعت فرماتے ہیں بلکہ آپ انہیں پہچانتے بھی ہیں اور جن کے درود و سلام کی یہ کیفیت نہیں ہو پاتی ان کا درود وسلام فرشتے لے کر حاضر بارگاہ ہوتے ہیں، یہ وہ عمل ہے جو کرلیا جائے تو رائیگاں نہیں جاتا، سرکار ﷺ تک پہنچتا ضرور ہے۔

مضمون نگار نے لکھا ہے کہ:

”مزار کے علاوہ کہیں سے الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ، یانبی سلام علیک پڑھنا خلاف سنت ہے۔“

یعنی اس لئے خلاف سنت ہے، اس میں لفظ ”یا“ کے ساتھ سلام بھیجا گیا ہے، اب یہ آثار قیامت نہیں تو اور کیا ہے کہ علم سے عاری افراد بھی قرآن واحادیث کی من مانی تفسیر وتوضیح کرنے لگے ہیں اور حق وناحق کے فیصل بن بیٹھے ہیں، مفسرین فرماتے ہیں کہ ”یا“ کے ساتھ سلام بھیجو، اس میں کوئی ممانعت نہیں، چنانچہ تفسیر بیضاوی جلد ۲/ ہے: وسلموا تسلیما: وقولوا السلام علیک ایھا النبی۔۔۔ والآیۃ تدل علی وجوب الصلوٰۃ و السلام علیہ فی الجملہ۔ یعنی سلموا تسلیما کا معنی یہ ہے کہ السلام علیک ایھا النبی کہو۔

اسی طرح روح البیان جلد ۷/ص ۲۲۸/ میں ہے: اعلم انہ یستحب ای ان یقال عند سماع الاولیٰ من الشھادۃ الثانیۃ "صلی اللہ علیک یارسول اللہ" وعند سماع الثانیۃ قرۃ عینی بک یارسول اللہ "ثم قالوا اللھم متعنی بالسمع والبصر۔" بعد وضع ظفر الابھامین علی العینین۔ یعنی مستحب یہ ہے کہ پہلی بار اشھد ان محمد رسول اللہ سنے تو کہے صلی اللہ علیک یارسول اللہ اور جب دوسری بار سنے تو کہے قرۃ عینی بک یارسول اللہ (یارسول اللہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک آپ ہیں) اس کے بعد دونوں انگوٹھوں کو دونوں آنکھوں پہ رکھتے ہوئے اللھم متعنی بالسمع والبصر کہے (یعنی اے اللہ میری سماعت وبصارت میں اضافہ فرما)۔

ان ایمان افروز تفاسیر کے باوجود یہ کہنا کہ اس طرح سلام بھیجنا خلاف سنت ہے، جرأت بیجا نہیں تو اور کیا ہے، اگر کسی کتاب میں ”یا“ کے ساتھ درود وسلام بھیجنے کی ممانعت آئی ہو تو اس کا حوالہ دیا جائے اور اگر ممانعت نہیں آئی ہے تو الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ اور یانبی سلام علیک دور سے ہو یا نزدیک سے بلا کراہت جائز ہونے پر ایمان لایا جائے، مضمون نگار بخوبی یاد رکھیں کہ ممانعت کے لئے حکم درکار ہے اباحت کے لئے نہیں، ورنہ عبادات سے لے کر معاملات تک سینکڑوں مسائل کے جائز ہونے پر سوالیہ نشان لگ جائے گا۔

قیام کا شرعی مسئلہ

سلام مخالف جماعت کسی طرح بھی اپنے نبی ﷺ پہ سلام پڑھنے دینے کی روادار نہیں چنانچہ دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے اب یہ لکھا کہ حضور کے لئے کھڑا ہونا کسی طرح بھی درست نہیں ”صحابہ آپ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیوں کہ صحابہ کو

معلوم تھا کہ آپ ﷺ کو یہ پسند نہیں کہ کوئی مجھے دیکھ کر کھڑا ہو“ افسوس! حضور ﷺ کی تعظیم وتوقیر کے لئے کھڑے ہونے کو ناپسند کرنے والے خود اپنی عظمت کے لئے پوری قوم کو کھڑا کر دینے کا کیسا مکروہ جذبہ رکھتے ہیں، اگر کوئی ان کے لئے کھڑا نہیں ہوتو دل میں محبت کی جگہ نفرت جنم لے لیتی ہے، برسوں کی محبت یکلخت دم توڑ دیتی ہے، اپنی عزت اتنی پیاری ہے کہ اس وقت امامت اور شریعت سب بے معنیٰ شے ہوجاتی ہے، ایسے ہی لوگوں کے لئے سرکار ﷺ نے فرمایا: من سرہ ان تمثل لہ الرجال قیاما فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ یعنی اپنی تعظیم کے لئے جو دوسروں کے کھڑا ہونے کا خواہش مند ہو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔“ [مشکوۃ، ص ۴۰۳]

حیرت ہے دعویٰ اسلام کرنے والے ان موحدین پہ کہ انہیں قرآن واحادیث میں صرف وہی باتیں ملتی ہیں جس سے یہ عظمت رسالت کا انکار کرسکیں، پورے قرآن میں انہیں تنقیص کے علاوہ کچھ نہیں ملتا، ایمان والے اور محبت رسول کا سرمایہ رکھنے والے عظمت رسالت کے اظہار کے لئے قرآن واحادیث کی روشنی میں پوری پوری کتاب لکھ دیتے ہیں ثبوت چاہیں تو (۱) مواہب الدنیہ: امام قسطلانی (۲) شرح مواہب الدنیہ: علامہ زرقانی (۳) الخصائص الکبریٰ: امام جلال الدین سیوطی (۴) حسن المقصد فی عمل المولد: اما جلال الدین سیوطی (۵) الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ: علامہ قاضی عیاض (۶) انوار المحمدیہ: علامہ نبہانی (۷) دلائل النبوۃ: علامہ ابونعیم (۸) شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۹) تفسیرات احمدیہ: ملا احمد جیون (۱۰) تجلی الیقین بان نبیا سید المرسلین: امام احمد رضا قادری (۱۱) الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ: امام احمد رضا قادری (۱۲) شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام: امام احمد رضا قادری (۱۳) منیۃ اللبیب ان التشریع بید الحبیب: امام احمد رضا قادری (۱۴) الموہبۃ الجدیدہ فی وجود الحبیب بمواضع عدیدہ: امام احمد رضا قادری (۱۵) شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن: مفتی احمد یار خاں نعیمی (۱۶) شان حبیب الباری من احادیث البخاری اور شان حبیب المنعم من احادیث المسلم جیسی کتابوں کا مطالعہ فرمالیں۔

مسئلہ سلام وقیام میں بھی ذات رسالت میں نقص تلاش کرنے والے افراد ڈھونڈ کر ایسی حدیث لائے ہیں جس سے ان کے مکروہ جذبے کی تسکین ہو۔ اگر انہوں نے موحد کے ساتھ مومن کی نگاہ سے احادیث کریمہ کا مطالعہ کیا ہوتا تو حضور ﷺ کے لئے کھڑے ہونے والی حدیثیں بھی انہیں مل جاتیں، احادیث میں مختلف مواقع پر مختلف افراد کے لئے کھڑا ہونا اور کھڑے ہونے کے لئے سرکار ﷺ کا حکم فرمانا ثابت ہے، حضور علیہ السلام کے لئے صحابہ کرام کھڑے ہوتے تھے اور حضور علیہ السلام حضرت فاطمہ زہرا کے لئے کھڑے ہوتے تھے، یہ سارے احوال واقوال احادیث میں موجود ہیں، چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

ابوداؤد شریف میں ہے: کانت اذا دخلت علیہ قام الیہا۔ حضرت فاطمہ حضور ﷺ کے گھر تشریف لاتیں تو آپ ان کے لئے کھڑے ہوجاتے، اسی میں ہے: کانت اذا دخلت علیہ قام الیہا فاخذ بیدہا فقبلہا واجلسہا فی مجلسہ وکان اذا دخل علیہا قامت الیہ فاخذت بیدہ فقبلتہ واجلستہ فی مجلسہا۔ یعنی جب حضرت فاطمہ زہرا حضور ﷺ کے گھر تشریف لاتیں آپ ﷺ ان کے لئے کھڑے ہوتے، ان کا ہاتھ پکڑتے، انہیں بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے اور جب حضور ﷺ حضرت فاطمہ زہرا کے گھر تشریف لے جاتے تو حضرت فاطمہ زہرا آپ کے لئے قیام فرماتیں، انہیں بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ انہیں بٹھاتیں۔ [ابوداؤد، ص ۷۰۸]

صحابی رسول حضرت سعد کے لئے حضور ﷺ نے کھڑے ہونے کا حکم فرمایا، چنانچہ بخاری شریف جلد ۲ ر ص ۹۲۶ ر میں ہے: قوموا الی سیدکم۔ یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنازہ کے لئے قیام کا حکم فرمایا، چنانچہ بخاری شریف جلد ۱ ر ص ۱۷۵ ر اور مسلم شریف جلد ۱ ر ص ۳۱۰ ر میں ہے: اذا رأیتم الجنازۃ فقوموا حتی تخلفنکم۔

اور اب وہ حدیث پاک سماعت کریں جس سے ایمان تازہ ہوجائے، چنانچہ بیہقی شعب الایمان اور مشکوۃ شریف ص ۶۸۹ ر پر ہے: عن ابی ہریرۃ کان رسول اللہ ﷺ یجلس معنا فی

المجلس یحدثنا فاذا قام قمنا قیاما حتیٰ نراہ قد دخل بعض بیوت ازواجہ۔ یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمارے ساتھ تشریف رکھتے اور گفتگو فرماتے، پس جب آپ جانے کے لئے کھڑے ہوتے ہم تمام صحابہ کھڑے ہوجاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک آپ کسی زوجہ محترمہ کے حجرے میں داخل نہ ہوجاتے۔

کتنی صراحت ووضاحت کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے لئے تمام صحابہ کھڑے ہونے اور کھڑے رہنے کا واقعہ سنا رہے ہیں، مگر افسوس بیمار دلوں کو نقص کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

یہ دعویٰ توحید والے درود وسلام مع القیام کو اتنا بڑا گناہ سمجھتے ہیں کہ اس کے آگے نماز نہ پڑھنا روزہ نہ رکھنا، حرام کھانا، چندہ کی رقم ہضم کرنا دھوکہ دے کر مال جمع کرنا کوئی گناہ نہیں، اب ان ادب رسالت سے محروموں کو کون سمجھائے کہ کھڑے ہوکر درود وسلام پڑھنا فرشتے کا بھی معمول ہے، صحابہ کرام کا بھی معمول ہے اور اولیائے کرام کا بھی معمول ہے قرآن شریف میں فرشتوں کے بارے میں فرمایا گیا: وملئکتہ یصلون علی النبی۔ اور اللہ کے فرشتے بھی درود بھیجتے ہیں نبی ﷺ پہ فرشتے درود کس طرح بھیجتے ہیں؟ تو سورۂ صافات میں ہے کہ ان گنت فرشتے صف بصف کھڑے درود بھیج رہے ہیں۔

حضور پاک ﷺ کی بارگاہ میں صبح وشام ستر ہزار فرشتے درود وسلام کا ہدیہ پیش کرتے ہیں کیا وہ بیٹھ کر پیش کرتے ہیں نہیں، فرشتے بارگاہ نبوت کے ادب شناس ہیں، وہ بے اجازت حضور ﷺ کے حجرہ پاک میں حاضر نہیں ہوتے، وہ ان کے قدموں کا بوسہ دینا بھی باعث فخر سمجھتے ہیں پھر یہ کیسے ممکن ہے، صبح وشام بارگاہ نبوی میں روضہ اطہر پہ حاضر ہونے والے فرشتے بیٹھ کر یا لیٹ کر درود وسلام پڑھتے ہیں، اگر کسی پاس یہ صراحت ہے کہ فرشتے بیٹھ کر یا لیٹ کر درود وسلام پڑھتے ہیں تو وہ قرآن وبخاری سے دلیل فراہم کرے۔

حضور پاک ﷺ کی جنازہ کے بارے میں ایک روایت بزاز حاکم ابن منیع بیہقی طبرانی معجم اوسط میں ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے حدیث مروی ہے: اذا غتسلتمونی و کفنتمونی فصلو علی سریری ثم اخرجوا عنی فان من اول من یصلی علی جبرئیل ثم میکائیل ثم اسرافیل ثم ملك الموت مع جنودہ من الملائکہ باجمعھم ثم ثم ادخلو علی فوجا بعد فوج فصلوا علی و سلمو تسلیما۔ جب میرے غسل وکفن سے فارغ ہو تو مجھے ایک تخت پر رکھ کر باہر چلے جاؤ، سب سے پہلے جبرئیل امین مجھ پر درود پڑھیں گے پھر میکائیل، اسرافیل اور پھر ملک الموت اپنے سارے لشکروں کے ساتھ درود بھیجیں گے، پھر گروہ در گروہ میرے پاس حاضر ہوکر مجھ پر درود وسلام عرض کرتے جاؤ۔

یہ حدیث بھی بتا رہی ہے کہ فرشتے اور صحابہ نے حضور پہ کھڑے ہوکر درود وسلام پڑھا اور ایسا کرنے کا انہیں حضور ﷺ نے حکم فرمایا، کیا اس صراحت کے بعد درود وسلام کھڑے ہوکر پڑھنے کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت ہے؟

حضرت انس سے مروی روایت کا مفہوم

حضور ﷺ کے لئے کھڑے ہونے کو ناپسندیدہ ثابت کرنے کے لئے حضرت انس کی جس روایت کو پیش کیا گیا ہے، وہ روایت ترمذی کی ہے اور غریب ہے، ہم اگر تعظیم نبی ﷺ کے ثبوت پر کوئی حدیث پیش کریں تو مطالبہ ہو حدیث صحیح کا اور وہ بھی بخاری سے اور خود تعظیم نبی کے خلاف ثبوت دینا ہو تو ترمذی سے اور بھی حدیث غریب سے، ہماری پیش کردہ ہر حدیث بغیر سوچے سمجھے ضعیف ہے اور منکرین کی پیش کردہ غریب بھی ہو تو قابل قبول۔

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ
جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

قارئین اس علمی بد دیانتی کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں یہ ان پہ چھوڑتا ہوں، شارحین حدیث نے اس حدیث پاک کی وضاحت

کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کا اپنے لئے قیام کو ناپسند فرمانا تواضع اور لوگوں کے جبر و کبر کی عادت کی مخالفت کی غرض سے تھا، یعنی امت کو تعلیم دینا مقصود تھا کہ اپنے لئے کسی کو کھڑا ہونے کی آرزو رکھنا پسندیدہ عمل نہیں، اسی لئے ایک جگہ آپ نے فرمایا: من سرہ ان تمثل لہ الرجال قیاما فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ یعنی اپنی تعظیم کے لئے جو دوسروں کے کھڑا ہونے کا خواہش مند ہو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔ [مشکوٰۃ، ص ۴۰۳]

حدیث انس کی شرح کرتے ہوئے صاحب تحفۃ الاحوذی نے لکھا: ای لقیامہم تواضعا لربہ ومخالفتہ لعادۃ التکبرین والمتجبرین۔ اگر حضور ﷺ کے لئے کھڑا ہونا کلیۃً ناپسندیدہ ہوتا تو حضرت ابوہریرہ کی روایت کے مطابق صحابۂ کرام مسجد نبوی میں حضور ﷺ کے لئے کھڑے نہیں ہوتے، صحابہ کرام کا کھڑا ہونا بتا رہا ہے کہ حضور ﷺ کے لئے کھڑا ہونا سنت صحابہ ہے۔

اس حدیث کی ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد مظہری نے بڑی ایمان افروز وضاحت کی ہے، وہ آپ لکھتے ہیں:

سوال کرنے والا سوال کرسکتا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلقاً تعظیم کے لئے کھڑا ہونا پسند نہ تھا تو پھر اپنے پیاروں کے لئے آپ کیوں کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھڑے ہونے کا حکم کیوں دیا؟ اس کا کوئی جواب نہیں، آپ نے ناپسندیدہ بات کا کبھی حکم نہیں دیا، جو خود پسند فرمایا اسی کا حکم دیا، اگر یہ سمجھ لیا جائے تعظیم کے لئے کھڑا ہونا ہی آپ کو ناپسند تھا تو آپ نے ناپسندیدہ بات کا حکم دیا؟ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ! اس کا تو کوئی مسلمان تصور نہیں کرسکتا، کسی کے لئے دل میں پیار و محبت ہو تو خود بخود کھڑے ہونے کو جی چاہتا ہے، نفرت و عداوت ہو تو کھڑا ہونا تو درکنار سلام کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا، یہ انسان کی فطرت ہے، کسی کے لئے ذوق و شوق سے کھڑا ہونا خلوص و محبت کی علامت ہے اور نہ کھڑا ہونا نفرت و عداوت کی، کسی کی دل سے تعظیم کرنی ہوتی ہے تو ہم کھڑے ہوتے ہیں اور تذلیل و تحقیر کرنی ہوتی ہے تو ہم بیٹھے رہتے ہیں، یہ ہماری عادت ہے، اللہ تعالیٰ نے بار بار حضور اکرم ﷺ کی تعظیم کا حکم دیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ تعظیم و توقیر کے لئے کھڑا ہونا تاریخ کے ہر دور میں عزت و احترام کی علامت رہی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خلوص دل کے ساتھ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اہل بیت اطہار، ازواج مطہرات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب ہی کی سنت ہے۔“

مضمون نگار نے ایک جگہ لکھا ہے کہ میلاد النبی کسی امام محدث، غوث یا اللہ کے ولی نے نہیں کیا، اگر بزرگوں کے معمولات کو تقویۃ الایمان اور تبلیغی نصاب میں ڈھونڈیں گے تو کہاں سے ملے گا؟ اللہ والوں کی باتیں اللہ والوں کی کتابوں میں ملتی ہیں، اس موضوع پہ ان کتابیں لکھی گئی ہیں اور اتنی زبانوں میں لکھی گئی ہیں کہ ان کا شمار بھی مشکل ہے، عربی، فارسی پڑھنے میں دشواری ہو تو اکثر کتابوں کا اردو ترجمہ بھی ہو گیا ہے، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی کتاب ”اخبار الاخیار“ کا اردو ترجمہ بھی دستیاب ہے، اس میں انہوں نے اپنا عمل صاف لکھا ہے کہ میں محفل میلاد النبی میں شریک ہوتا ہوں اور کھڑے ہو کر سرکار ﷺ پہ درود وسلام پڑھتا ہوں، انہوں نے اسی عمل کو آخرت میں کامیابی کا ذریعہ بھی بتایا ہے توفیق ہو تو بزرگوں کے معمولات پر ہی اپنے عمل کی بنیاد رکھیں، بزرگوں کا ہر عمل مجرب نسخہ نجات ہے اور کونوا مع الصادقین کے ذریعہ انہیں کے ساتھ رہنے کی تاکید بھی کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو بزرگوں کے معمولات و مراسم اور عقیدہ و نظریہ پہ قائم رکھے، آمین۔

درود وسلام کی فضیلت

درود وسلام کی فضیلت سے احادیث کریمہ کے صفحات پر ہیں، اخیر میں احادیث میں مذکور چند فضائل بیان کرکے اپنی گفتگو ختم کروں، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب ”جذب القلوب“ میں فرماتے ہیں ”جو بندہ ایک بار درود شریف پڑھتا ہے، خدائے تعالیٰ اس پر دس بار رحمتیں بھیجتا ہے، دس درجے بلند فرماتا ہے، دس نیکیاں عطا فرماتا ہے، دس گناہ مٹاتا ہے، دس غلام آزاد کرنے کا ثواب اور بیس غزوات میں شرکت کا بقیہ ص ۱۲ ر پر

(از: مولانا غلام مصطفےٰ نعیمی*)

کج فہم تجدد پسندوں کے نام

بچپن میں ایک فارسی کہاوت پڑھی تھی "یک من علم را دہ من عقل باید" یعنی ایک من علم کے لئے دس من عقل چاہیے، لیکن حالات زمانہ کی نیرنگی دیکھئے کہ جن لوگوں کو چھٹانک بھر بھی دولت علم صحیح طور سے نہ مل پائی وہ لوگ علم و فن کے کوہ ہمالہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے علم پر نکتہ چینی کرنے کی جسارت بیجا کرتے ہیں، پچاس سے زائد علوم پر مہارت رکھنے والی اتنی عظیم اور عبقری شخصیت کے علم پر اعتراض کرنے والے افراد کے بارے میں معروف پاکستانی محقق علامہ سید ابوالحسن واحد رضوی تحریر فرماتے ہیں:

"آج کل جو شہرت حاصل کرنے کے لیے مختلف باتیں کرتے ہیں وہ عالم تو دور حقیقی طور پر طالب علم بھی نہیں ہیں، بلکہ عقل سے بھی کورے اور فہم سے عاری ہیں اور رہی تقویٰ کی صفت! تو یہ تو شروع ہی سے ان کے لیے اجنبی اور نادیدہ ہے۔"

کور عقلی جیسی صفات سے متصف یہ حضرات آئے دن اپنی انھیں صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں، پچھلے دنوں سیدی اعلیٰ حضرت کے ایک فتوے پر ایک "صاحب بہادر" کا نوٹ اور انھیں کے ہم خیال افراد کے کچھ تبصرے نگاہوں سے گزرے، جن میں ان تمام افراد نے اپنی کور عقلی کا خوب خوب ثبوت دیا، سوال یہ تھا کہ جن اداروں میں انگریزی کی تعلیم دی جاتی ہے وہاں چرم قربانی دینا موجب ثواب ہے یا نہیں؟

اس کا جواب دیتے ہوئے اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

"مصرف قربانی میں تین باتیں حدیث میں ارشاد ہوئی ہیں، کھاؤ اور ذخیرہ رکھو اور ثواب کے کام کرو، انگریزی پڑھنا بے شک کوئی بات ثواب کی نہیں، اگر یہ احتیاط ہو سکے کہ اس کے دام صرف قرآن مجید و علم دین کی تعلیم میں صرف کیے جائیں تو دے سکتے ہیں ورنہ نہیں۔"

اعلیٰ حضرت کے اس صاف و شفاف فتوے پر اپنی زہر بھری طبیعت کا مظاہرہ کچھ اس طرح کیا گیا اور اعلیٰ حضرت پر یہ رکیک الزام لگایا گیا:

"مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کو آنے والے جبری حالات و مقتضیات کا وقت رہتے اندازہ نہیں ہو سکا اور وہ ایک ضروری چیز سے بھی لوگوں کو جاہل رکھے ہوئے تھے، کیا مخالف کی زبان سیکھنا اور اس کی تہذیب سے آشنا ہونا ان لوگوں کے لئے بھی غلط ٹھہرے گا جو دین و سنیت کے سپاہی بننے جا رہے تھے؟"

قارئین اس تبصرہ کی زبان پر غور کریں کہ امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے علم و فضل پر کس گھٹیا اور بھونڈے انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے "صاحب بہادر" اور ان کے دوستوں نے فیس بک پر بڑے سطحی انداز میں اپنی "فطری صلاحیتوں" کا استعمال کرتے ہوئے تنقیص میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔

قارئین! اعلیٰ حضرت نے یہ فتویٰ ۱۳۳۲ھ میں دیا تھا یعنی آج سے قریب ۱۰۵ سال پہلے، جب وطن عزیز انگریزوں کے غاصبانہ قبضے میں تھا، اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ نکات ملاحظہ فرمائیں، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس فتوے میں انگریزی زبان کی تعلیم سے کہیں بھی منع نہیں کیا بلکہ اس زمانے میں (۱۰۵ سال پہلے کے بھارت میں) اس کے صرف اور صرف "کار ثواب" ہونے کی نفی کی ہے۔

اب اسے سرا واں کا "فیض خیانت" کہا جائے یا کم عقلی اور جہالت کہ "صاحب بہادر" نے یہ نتیجہ نکال لیا کہ اعلیٰ حضرت لوگوں کے انگریزی زبان سیکھنے کو غلط کہہ رہے ہیں اور لوگوں کو اس سے روک رہے ہیں، ہم "صاحب بہادر" کو زندگی بھر کی مہلت دیتے ہیں کہ وہ اس فتوے میں اپنا اختراعی مفہوم ثابت کر کے دکھائیں۔

* مضمون نگار رضا مسجد رضائے مصطفےٰ شاہ ولی کے صدر اور ماہنامہ سواد اعظم کے چیف ایڈیٹر ہیں۔

انگریزی زبان کی تعلیم کو اُس دور میں ''کارِ ثواب'' نہ ماننے پر ''صاحب بہادر'' کی اتنی برہمی کہیں اس بات کی غمازی تو نہیں کر رہی کہ اگر ''صاحب بہادر'' اور اُن کے ممدوحین اُس انگریزوں کے بھارت میں ہوتے تو انگریزوں کی زبان سیکھنے اور سکھانے کو کارِ ثواب اور قربتِ خداوندی کا وسیلہ قرار دے دیتے۔ ع

بے خودی بے سبب نہیں غالب

انگریز بہادر چونکہ مسلمانوں کو اپنا حقیقی دشمن سمجھتے تھے اس لیے انھوں نے اہل اسلام کو ان کے مذہب سے دور کرنے کی خاطر مسلمانوں میں رائج زبان عربی و فارسی اور اردو کو کمزور کرنا چاہا اور انگریزی زبان کو بڑھاوا دینا شروع کیا تاکہ مسلمانوں کا رشتہ اپنی زبانوں سے کمزور ہو جائے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان اپنے مذہب سے بہت دور ہو جاتا ہے اور پھر اس کو بہکانا بہت آسان ہو جاتا ہے، جیسا کہ آزادی کے فوراً بعد اردو کو کمزور کر ہندی و دیگر علاقائی زبانوں کو بڑھاوا دیا گیا جس کا نتیجہ آج یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد دین اور دینی تعلیم سے دور ہو چکی ہے۔

ہر قوم کی زبان اس کی ثقافت اور کلچر کی جان ہوا کرتی ہے، انگریزی زبان کے فروغ کے پس پشت مغربی تہذیب اور مغربی کلچر کو بڑھاوا دینا انگریزوں کا مقصود تھا تاکہ اسلامی تہذیب و آثار کو ختم کیا جا سکے، جس طرح آج ہندو طاقتیں سنسکرت اور ہندی کی تعلیم کے نام پر ہندو کلچر کو بڑھاوا دے رہی ہیں، وہی ماحول اس وقت انگریزی کا تھا۔

اب سے سو سال پہلے انگریزی زبان کی آج کی طرح کوئی عالمی حیثیت بھی نہیں تھی کہ جس سے بہت وسیع پیمانے پر تبلیغ و اشاعت اور دینی فوائد حاصل کیے جا سکتے، زبانیں صرف وسیلۂ استفہام و اظہار ہوا کرتی ہیں، جس زبان کا یہ حال ہو ظاہر ہے اس کی تعلیم ہمارے دینی نقطۂ نظر سے ''کارِ ثواب'' نہیں ہو سکتی۔

یہ نکات تو ہماری محدود فکر کا نتیجہ ہیں، اس عظیم المرتبت شخصیت کی فکر و نظر کی وسعت کا کیا عالم ہوگا؟ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی تجدید کے لیے مامور فرمایا ہو۔

اس لیے اگر اعلیٰ حضرت نے اس زمانے کے ماحول کو مد نظر رکھتے ہوئے ''انگریزی تعلیم کو کارِ ثواب'' قرار نہیں دیا تو آج کے ''کالے انگریزوں'' کے پیٹ میں بھلا کیوں درد ہو رہا ہے یہ سمجھ سے پرے ہے ''صاحب بہادر'' نے ایک خیانت یہ کی ہے کہ اعلیٰ حضرت نے اپنے فتوے میں ایک قید لگائی تھی کہ اگر چرمِ قربانی کو تعلیم قرآن اور دینی تعلیم میں ہی خرچ کیا جائے تو جن اداروں میں انگریزی پڑھائی جاتی ہو وہاں بھی دے سکتے ہیں۔

لیکن معترض نے کمال ڈھٹائی سے ''مقید'' کو ''مطلق'' سے بدل کر یہ سرخی لگائی:

''جن مدرسوں میں انگریزی پڑھائی جائے وہاں چرم قربانی دینا جائز نہیں۔''

دن کے اجالے میں آنکھوں کے سامنے چوری کرنا شاید اِسی ادا کا نام ہے۔ ع

عجب دزدے دلاور ست

اب آئیں اعلیٰ حضرت کی فکری وسعت اور جذبہ دینی کا یہ رُخ ملاحظہ کریں جسے یا تو معترضین شوقِ تنقیص میں دیکھ نہیں پاتے یا دیکھ کر بھی آنکھیں بند کر لیتے ہیں، آپ کی بارگاہ میں انگریزی زبان سیکھنے کے تعلق سے سوال کیا گیا تو آپ نے یہ جواب تحریر فرمایا:

''ذی علم مسلمان اگر بہ نیتِ رڈ نصاری انگریزی پڑھے، اجر پائے گا اور دنیا کے لیے صرف زبان سیکھنے یا حساب اقلیدس جغرافیہ جائز علم پڑھنے میں حرج نہیں بشرطیکہ ہمہ تن اس میں مصروف ہو کر اپنے دینی علم سے غافل نہ ہو جائے۔''

[فتاویٰ رضویہ قدیم، جلد نہم، ص ۹۹]

پہلے فتوے میں خیانت کرنے والے کور عقل اب بتائیں کہ اعلیٰ حضرت انگریزی سے لوگوں کو جاہل رکھے ہوئے تھے یا بہ نیت رڈ نصاریٰ سیکھنے پر اجر و ثواب کا مژدہ سنا رہے تھے؟ لوگوں کو جاہل رکھنے جیسا گھٹیا اور بیہودہ الزام لگانے جیسا ذلیل کام تو دشمن بھی نہیں کر سکا مگر یہ کام ''بھیڑ نما بھیڑیے'' خوب کر رہے ہیں۔

مخالف کی زبان سیکھ کر ان کی تردید کرنے والے سپاہی دیکھنا ہوں تو مبلغ اسلام علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کا نام نامی

ہی کافی ہے جو اعلیٰ حضرت کے دامن کرم سے وابستہ تھے۔

اب ایک نظر معترض کے رویے پر

معترض صاحب بریلوی حضرات پر گالی جیسا الزام لگا کر خود ”بند دماغ، بے بصیرت بریلوی، جاہل اور اجڈ جیسے“ ادبی چاشنی میں ڈھلے ہوئے جملے استعمال کرتے ہیں، ان کی اس ادبی زبان کو دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے۔ ؎

کتنے میٹھے ہیں تیرے لب اے رقیب
گالی دے کر بھی بد مزہ نہ ہوئے

کہتے ہیں دل کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہوتا ہے، یہ جب محبت کرتا ہے تو ”کفر و اسلام کی سرحد سے بہت دور دنیا بسانے والے“ کو ”داعی اسلام، عارف باللہ“ کہتے نہیں تھکتا لیکن! اگر یہی دل بغض و عناد پال لے تو ”مجدد دین وملت“ اور ”شیخ الاسلام والمسلمین“ کو بھی ”مولانا“ کہتے وقت زبان گنگ اور قلم کی روشنائی خشک ہو جاتی ہے۔

آخر میں ہم یہی دعا کریں گے کہ مولیٰ تعالیٰ ہمیں بزرگوں کی بے ادبی، انانیت، ضد اور ہٹ دھرمی سے محفوظ رکھے اور بھٹکے ہوئے آہوؤں کو پھر سے سوئے حرم رواں دواں فرمائے۔ ■■■

ص ۴۶ رکا بقیہ ....

کا ثواب عطا فرماتا ہے۔

درود پاک پڑھنے سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے، شفاعت مصطفیٰ واجب ہوتی ہے، مصیبتیں ٹلتی ہیں، بیماریوں سے شفا حاصل ہوتی ہے، ظلم سے نجات اور دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے، دل وجان ذات و مال کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے، سکرات موت میں آسانی ہوتی ہے، تنگ دستی دور ہوتی ہے، دنیا کی تباہ کاریوں سے نجات ملتی ہے، بھولی ہوئی چیزیں یاد آجاتی ہیں، فرشتے اس کا ذکر کرتے ہیں اور اسے گھیر لیتے ہیں، درود شریف پڑھنے والا جب پل صراط سے گزرے گا تو نور پھیل جائے گا اور وہ اس میں ثابت قدم ہو کر پلک جھپکنے میں نجات پائے گا، باب جنت پہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قرب حاصل ہوگا، درود شریف سے اولاد در اولاد چار نسلوں تک برکتیں باقی رہتی ہیں اور یہی پاکیزہ عمل دعاؤں کی قبولیت کا مؤثر ترین سبب ہے۔

سلام نہ بھیجنے والے کو تنبیہ

حضرت ابراہیم نسفی فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی، تو حضور ﷺ کو ناراض پایا، تو آپ کے دست اقدس کو بوسہ دے کر عرض کیا، یارسول اللہ! میں حدیث پاک کا خادم ہوں، اہل سنت ہوں اور مسافر ہوں، آپ ناراض کیوں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ”جب تم مجھ پر درود بھیجتے ہو تو سلام کیوں ترک کر دیتے ہو؟“ اس کے بعد سے میرا معمول ہو گیا میں صلی اللہ علیہ وسلم پورا لکھنے لگا، یعنی درود شریف کے ساتھ سلام بھی بھیجنے لگا۔ ■■■

ص ۵۳ رکا بقیہ ....

سوق ثلاثہ میں ہوتا ہے پھر میں حربیہ میں داخل ہوا، سڑک بھر چکی تھی اور بے شمار لوگ صبح سے موجود تھے اگر کہا جائے کہ وہ لوگ جو مجلس میں شمولیت کی خاطر باب بصرہ کی طرف سے صحرا میں آئے اور مجمع میں شامل ہو گئے ان کی تعداد تین لاکھ تھی تو یہ غلط نہ ہوگا۔

[المنتظم حصہ ۱۰ / ۲۴۳]

یہ بڑے خطیب تھے، ان کی تقریر کا موضع اپنے مسلک و مذہب کی تبلیغ واشاعت اور دوسروں پر تنقید وتردید پر مشتمل ہوتی، اصلاح معاشرہ کا عنوان ان کے پیش نظر نہ ہوتا، وہ سلاطین وحکمراں کو خوش کرنے کے لئے ان کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیتے اور اس طرح خوب خوب تعریف وتوصیف اور انعام واکرام سے نوازے جاتے۔

سرکار غوث اعظم نے جلسوں کے سلسلے میں قوم کے بنے ہوئے مزاج سے فائدہ اٹھایا اور درس وتدریس سے کچھ وقت نکال کر میدان خطابت میں قدم رکھا، شہر وقصبات کے جلسوں میں شرکت کے بجائے اپنے طور پر وعظ وخطاب کی مجلس کا اہتمام کیا، آپ نے اس کے لئے ہفتہ میں تین دن مخصوص کئے، جمعہ کی صبح اور منگل کی شام جامعہ قادریہ میں اور اتوار کی صبح اپنی خانقاہ (رباط) میں جو جامعہ قادریہ سے کچھ فاصلہ پر تھی۔ [قلائد الجواہر ۱۸]

◄..... جاری .....►

ظہور غوثیت مآب!

حیات غوث اعظم قدم بہ قدم

از: مولانا کوثر امام قادری*

سرکار غوث اعظم موسوی جلال، عیسوی کمال، محمدی شان وشوکت، صدیقی فکر وتدبر، فاروقی تیور، عثمانی وصف، علوی شجاعت وہمت کے ساتھ میدان تحریک وعمل میں نمودار ہوئے اور ۵۲۱ھ رے ۱۱۲۷ء میں آپ کی غوثیت کا ظہور ہوا۔

رب تبارک وتعالی نے جتنی خوبیاں اور کمالات آپ کو عطا فرمائی تھیں شمار سے باہر ہیں جس کا خود آپ کو احساس واعتراف تھا، اس لئے آپ نے جان لیا کہ مشیت الٰہی آپ سے کچھ اور ہی کام لینا چاہتی ہے اور وہ ہے مسلم معاشرہ میں انقلاب پیدا کرنا، امت مسلم کے ظاہری وباطنی احوال کی تطہیر وتزکیہ، خارجی طاقتوں اور صلیبی قوتوں سے مسلمانوں کو بچانا، بیت المقدس کو عیسائیوں کے قبضہ سے آزاد کرانے کے لئے ایسے افراد تیار کرنا جو میدان جنگ میں مجاہدین بدر کی یاد تازہ کردیں۔

آپ کے اس شدت احساس کو آپ کے حسب ذیل فرمودات میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، چنانچہ آپ اپنے رب کی بارگاہ میں یوں دعا فرماتے ہیں، اے مرے اللہ! میں تجھ سے اس نیابت کے ضمن میں بخشش اور عافیت کا طلب گار ہوں، جس کام میں لگا ہوں اس میں مری مدد فرما، میں تجھے انبیاء اور رسولوں کا واسطہ دیتا ہوں، تو نے مجھے اپنی سخت مزاج مخلوق کے درمیان صف اول میں کھڑا کردیا ہے، پس میں تجھ سے بخشش اور عافیت کا سوال کرتا ہوں مجھے شیطانوں، انسانوں، جنوں اور تمام مخلوقات کی شر سے تحفظ عطا فرما۔ [الفتح الربانی ۲۳۹]

ایک اور وعظ میں آپ نے یوں فرمایا: پاک ہے وہ ذات جس نے مرے دل میں مخلوق کی نصیحت ڈال دی اور اسے مرے لئے سب سے اہم کام بنادیا، میں نصیحت کرنے والا ہوں اور میں اس پہ اجر کا ارادہ نہیں رکھتا، مری آخرت مرے رب عزوجل کے یہاں پڑی ہے، میں دنیا کا طالب نہیں اور نہ میں دنیا اور آخرت کا غلام ہوں، سوائے حق عزوجل کے، تمہاری فلاح سے مجھے خوشی ہے اور تمہاری ہلاکت سے مجھے غم ہے۔ جب میں کسی مرید صادق کا چہرہ دیکھتا ہوں جس نے میرے ہاتھ پر فلاح پائی ہے تو میں سیر ہو جاتا ہوں، مری پیاس بجھ جاتی ہے، میں خوش لباس ہو جاتا ہوں اور خوش ہو جاتا ہوں کہ وہ مرے ہاتھ سے کیسا بن کر نکلا۔ [الفتح الربانی ۲۱]

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا: آگاہ رہو کہ میں تمہاری نگراں، تمہارا رہبر ہوں، تمہارا محافظ ہوں، میں نے توحید کی تلوار سے سب کچھ قطع کرنے کے بعد اس مقام پر ترقی پائی ہے، اور تمہارے لئے نفع ونقصان کو دیکھتا ہوں، یہ مقام مرے لئے ایک فریضہ ہے تمہاری تعریف تمہاری مذمت، تمہارا سامنے آنا اور تمہارا پیچھے پلٹنا میرے لئے برابر ہے کتنے ہیں جو مری بہت مذمت کرتے ہیں، پھر ان کی مذمت تعریف میں بدل جاتی ہے، یہ دونوں باتیں اللہ کی طرف سے ہیں نہ کہ اس شخص کی طرف سے تمہارے سامنے میرا آنا اللہ کے لئے ہے اور تم سے میرا رکنا بھی اللہ کے لئے ہے، اگر مرے لئے ممکن ہوتا تو میں ہر ایک کے ساتھ قبر میں داخل ہوتا اور اس کی طرف سے منکر نکیر کو جواب دیتا اور ایسا میں تمہارے کے حق میں رحمت وشفقت کی بنا پر کرتا۔

[الفتح الربانی ۹۷]

آپ اسی جوش وحوصلہ کے ساتھ آگے بڑھے اور اپنے مشن کو نقطۂ انتہا تک پہنچانے کے لئے چار اہم طریقوں کو اپنایا جس کے نتیجے میں پورا بغداد ایک نئے اسلامی علمی فکری، عملی روحانی انقلاب سے آشنا ہوا وہ اہم طریقے حسب ذیل ہیں:

(۱) درس وتدریس (۲) وعظ وخطاب (۳) روحانی تربیت (۴) تصنیف وتالیف۔

* مضمون نگار دار العلوم نور العلوم بہارج گنج، یوپی کے مدرس اور علم حدیث کے ماہر ہیں۔

مذکورہ چاروں صورتوں میں سب سے زیادہ جس نے زمانے کو متاثر کیا وہ درس و تدریس اور وعظ و خطاب ہے، گفتگو تو چاروں صورتوں پر تفصیل ہو سکتی ہے لیکن یہ مختصر سا مضمون اس کا متحمل نہیں اس لئے صرف دو صورتوں کو ہی بیان کرنا چاہتا ہوں۔

درس و تدریس

شیخ ابو سعید مخرمی شریعت و طریقت حدیث تفسیر و قرات کے امام اور مشہور مدرس تھے، آپ نے بغداد کے باب الازج میں ایک چھوٹا سا مدرسہ قائم کیا تھا، جہاں محدود انداز میں تعلیم ہوتی تھی،۔ میں شیخ مخرمی کا وصال ہوا اور ان کی جگہ یہ غوث اعظم جانشین مقرر ہوئے، مدرسہ کا نظام آپ کے ہاتھوں آیا تو آپ نے اس چھوٹے سے ادارہ کو ایک عظیم جامعہ کی شکل میں لانے کا منصوبہ بنایا اردگرد کے مکانات و زمین خریدی اور تعمیر نو کا کام شروع کیا اصحاب ثروت نے دل کھول کر اس کار خیر میں حصہ لیا اور ۵۲۸ھ ۱۱۳۳ء میں ایک چھوٹا سا مدرسہ عظیم جامعہ کی شکل میں تیار ہو کر سامنے آ گیا یہ مدرسہ آپ کی تدریس افتاء تصنیف و تالیف اور وعظ و نصیحت اور دیگر علمی و فکری روحانی سرگرمیوں کا مرکز بنا اور آپ کی مبارک ذات کی طرف منسوب ہوا۔ [قلائد الجواہر ۵]

لہٰذا اسے اب جامعہ قادریہ کہنا چاہتے۔

جامعہ قادریہ سے تھوڑے فاصلے پر آپ کی رباط تھی، اسی کو بطور ہاسٹل متعین کیا گیا تاکہ بیرونی طلبا وہاں کے قیام و طعام کی موجودہ سہولتوں سے مستفید ہوں، حضرت غوث اعظم نے اپنے شاگرد رشید محمود بن عثمان بن مکارم النعال کو اس ہاسٹل کی نگرانی تفویض کی۔ [طبقات الحنابلہ ۲ ۲۳۲]

جبکہ عظیم جامعہ کے لئے جتنی چیزیں مطلوب ہیں سب کچھ مہیا کرنے کے بعد اب مکمل طور پر باقاعدہ داخلہ کی کاروائی شروع ہوئی، طالبان علوم نبویہ ہر چہار جانب سے آکر یہاں تعلیم و تعلم میں مشغول ہوتے تعلیم و تربیت کا اتنا عمدہ انتظام تھا کہ جو طالب علم جامعہ میں آجاتا تو پھر کسی اور درسگاہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا بھی نہیں اور یہیں سے وہ سب کچھ حاصل کر کے فارغ ہوتا، چنانچہ کتاب المغنی کے مصنف شیخ موفق الدین اور حافظ عبد الغنی نابلسی جب حصول علم کے لئے اس جامعہ میں آئے تو شیخ کے طریقہ تعلیم اور طلبا میں اس کے اثرات کو دیکھ کر بہت محفوظ ہوئے اور اپنے تاثر کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

ہم سن ۵۶۱ھ میں بغداد میں داخل ہوئے اچانک ہم نے شیخ عبد القادر کو دیکھا جو اہم علم و عمل حال اور استغنا میں کمال کی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، علوم میں مہارت کارکنوں سے تحمل اور وسعت قلب جو آپ کی ذات میں جمع ہو گئی تھی وہ طالب علم کو کہیں اور جانے نہیں دیتی تھی، آپ کا دیدار آنکھ کو بھلا لگتا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ میں ایسے اوصاف جمیلہ اور احوال نادرہ جمع کر دیتے تھے کہ میں نے آپ جیسا بعد میں نہیں دیکھا۔ [طبقات الحنابلہ حصہ اول ۲۹۴]

جامعہ قادریہ شریعت و طریقت کا جامع تھا، کتاب و سنت کے علوم سے طلبا کے ظاہر کو سنوارا جاتا تو کتاب و سنت کے عمل مشق کے ذریعہ باطن کی تطہیر و تزکیہ نفوس کیا جاتا تھا تاکہ ایک طالب علم کے اندر شریعت و طریقت کے تمام کمالات پیدا ہو جائیں۔

جامعہ قادریہ میں روحانی تیاری کا ہدف یہ تھا کہ متعلم یا مرید کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ بلا کدورت بالکل صاف ہو جائے اور حضور ﷺ کی دلیل و مثال بن جائے۔ [الفتح الربانی ۲۰۶]

متعلم کو اس مقام پر پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر چیز میں سنت کو لازم پکڑے، وہ مجاہدہ کی صفات سے متصف ہو اور اولالعزم اعمال سے مزین ہو۔

غوث اعظم کی پر خلوص محنتوں کے بدولت جامعہ قادریہ کا مکمل نظام اسلامی و روحانی رنگ میں رنگا ہوا تھا، آپ نے اپنے اوقات کا زیادہ تر حصہ مدرسہ کے لئے وقف کر رکھا تھا، آپ صرف جمعہ کے دن مدرسہ سے باہر مسجد یا رباط کی طرف تشریف لے جاتے تھے یہ سلسلہ آخر عمر تک رہا، تدریس میں ۳۳ سال گزارے یعنی یہ سلسلہ تدریس ۵۲۸ھ ۱۱۳۳ء سے شروع ہو کر ۵۶۱ھ/۱۱۶۶ء تک جاری رہا۔

اس جامعہ کے طلبا جب ہر قسم کے اعلیٰ صفات سے متصف ہو کر فارغ ہوتے تو انہیں عملی انقلاب برپا کرنے کے لئے کار بار دینا میں الگ محاذ پہ بھیج دیا جاتا، بعض مملکت اسلامیہ کے طول و

عرض میں پھیلے ہوئے مدارس میں منصب تدریس پر فائز ہوتے تو بعض حکمرانوں کے مجلس مشاورت کے ارکان بنائے جاتے، کچھ سلطنت کے دیگر امور کی نگرانی کرتے تو بعض عسکری قوتوں میں اضافہ کا سبب بنتے، اس طرح اس ادارہ کے فارغین ایک بڑے انقلاب کی آمد کے اسباب فراہم کرنے میں مصروف ہوئے۔

سرکار غوث اعظم کا ادارہ نظام تعلیم و تربیت کے اعتبار سے خوب سے خوب تر ہو چکا تھا، لیکن صرف ایک ادارہ کے اچھا ہونے سے کام نہیں چلتا اس لئے وقت کا تقاضا تھا کہ دوسرے دینی اداروں میں بھی وہی کچھ پیدا کیا جائے جسے جامعہ قادریہ میں دیکھا اور محسوس کیا جاتا تھا۔

تنظیم مدارس

بغداد اور اس کے مضافات نہیں بلکہ پوری مملکت میں دینی مدارس اور اسلامی دانشگاہوں کا جال بچھا ہوا تھا، درس و تدریس کی گرم بازاری تھی، ہر ادارہ اپنے صوابدید کے مطابق کتاب و سنت اور عصری مضامین کی تعلیم میں مصروف تھا، فقہ، حدیث، تفسیر، فلسفہ، مناظرہ، کی نشر و اشاعت ہو رہی تھی، تمام علمی مراکز اپنے ہدف کو پانے کے لئے کوشاں تھے۔

اب ضرورت محسوس ہوئی کہ تمام اداروں کو ایک لڑی میں پرو کر خاص نقطے پر مرتکز کیا جائے، سب کا ہدف ایک ہو اور ایک ہی مقصد کے لئے سب کوشش کریں، باہمی ربط و اتصال اور آپسی نسل معرض وجود میں آئے جو اعلیٰ صفات و باطنی کمالات سے مزین ہو کر آفاق عالم پر اثر انداز ہو کے عسکری توانائی و روحانی قوت سے مسلح ہو کر سیاسی، سماجی، معاشی و معاشرتی انقلاب کے لئے اٹھ کھڑی ہو سکے۔

اس عظیم مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے لگاتار چار سالوں تک سعی بلیغ ہوتی رہی ۵۴۶ھ تا ۵۵۰ھ (۱۱۴۱ء تا ۱۱۵۵ء) کے درمیان مدت میں متعدد مقامات پر علماء اور مشائخ کی میٹنگیں ہوتیں۔

ڈاکٹر عرسان کیلانی رقمطراز ہیں:

پہلا اجتماع مدرسہ قادریہ کی رباط میں منعقد ہوا، یہ رباط بغداد کے محلہ ''حلبہ'' میں واقع تھی جہاں عراق اور بیرون عراق سے پچاس سے زیادہ مشائخ حاضر ہوئے۔

دوسرا اجتماع موسم حج کے دوران ہوا جس میں عالم اسلام کے مختلف اطراف سے مدارس اسلامیہ کے شیوخ جمع ہوئے، اس اجتماع میں عراق سے حضرت غوث پاک شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت شیخ عثمان مرزوق، شیخ ابو مدین، نے شرکت کی، اسی طرح یمن سے متعدد شیوخ اجتماع میں شامل ہوئے جن کے امور منظم کرنے کے لئے حضرت شیخ عبدالقادر نے اپنا نمائندہ ان کے ساتھ روانہ کیا، اس دوران حضرت شیخ عبدالقادر اور شیخ ارسلان دمشقی کے درمیان روابط جاری رہے۔ [عہد ایوبی کی نسل نو ۲۱۷]

جب علماء اسلام و مشائخ عظام ایک متحدہ کوشش کے لئے تیار ہو گئے تو پھر مدارس کے ذمہ داران کا ایک وسیع پیمانے پر اجتماع ہوا اور سارے اداروں کو ایک ہی منہاج پر چلانے کا اہم فیصلہ لیا گیا۔

یہ رپورٹ ملاحظہ کریں۔

اس اجتماع کا اہم ترین نتیجہ یہ تھا کہ ایک متحدہ قیادت عالم وجود میں آئی (تنظیم کو با حسن وجود چلانے اور علمی اداروں کی سرپرستی و قیادت کرنے کے لئے متعدد عہدے متعین ہوئے) جیسا کہ درج ذیل ہے۔

(۱) قطب غوث (۲) ابدال (۳) اوتاد (۴) اولیاء۔

جب ایک ابدال وفات پا جائے تو قطب غوث کو اس کا متبادل متعین کرنے کا اختیار ہوگا۔ اس جدید تنظیم میں حضرت شیخ عبدالقادر ''قطب غوث'' بنائے گئے جو محبین صادق کے قافلہ سالار تھے اور علوم و معارف کے ریاست، آپ کے سپرد تھی اور دس ابدال مملکت کے خواص اور سلاطین وقت تھے اور وہ یہ تھے۔

(۱) شیخ بقا بن بطو، موضع بابا نوس۔ (۲) شیخ ابو سعید قیلوی، موضع زوپران۔ (۳) شیخ علی بن ہیتی، موضع زوپران۔ (۴) شیخ عدی بن مساہر۔ شیخ مدرسہ عدویہ کوہ ہکار۔ (۵) شیخ موسیٰ زولی۔ موضع صاردین۔ (۶) شیخ احمد رفاعی۔ شیخ ام عبیدہ، جنوبی عراق۔ (۷) شیخ عبدالرحمٰن طفسونجی۔ موضع طفسونج (۸) شیخ ابو محمد بن

عبداللہ۔ بصرہ۔ (۹) شیخ حیاۃ بن قیس۔ حران۔ (۱۰) شیخ ابومدین۔ المغرب۔ [نشر المحاسن الغالیۃ ۱۴۲]

متحدہ قیادت کا فریضہ

''اسی متحدہ قیادت کا فرض تھا کہ وہ مدارس کی سرگرمیوں کو مربوط کرے، اور ان کا رخ اشاعت زہد اور نئی نسل کی تربیت کی طرف موڑ دے اور اس بات کا خیال رکھے کہ ان کا کردار اس عہد کے اسلامی معاشرہ کے ان امراض کے علاج کے محور کے گرد گھومتا رہے جن امراض نے چیلنجوں کے سامنے اسے کمزور کر دیا ہے اور اندرونی وبیرونی فرائض کی ادائے گی میں بے بس بنا دیا ہے۔

تنظیم کے اثرات

تنظیم کے ارکان منتخب ہوئے، قراردادیں پاس ہوئیں اور سرکار غوث اعظم کی زیر سرپرستی یہ تنظیم کام کرنے لگی، اس متحدہ قیادت کے وجود میں آنے کے بعد تمام اداروں کو ایک نئی سمت ملی اور اس کے خوشگوار اثرات مرتب ہوئے اور یہ اثرات چار صدیوں میں ظاہر ہوئے۔

اول: مختلف مدارس اور رباط، ذہین طلبہ اور ترقی پزیر مریدین جن کے بارے میں خیال ہوتا تھا کہ مستقبل میں شیخ بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں کو مدرسہ قادریہ میں بھیج دیتے تھے۔ جیسا کہ شیخ ابومدین مغربی نے اپنے ایک مرید صالح بن ویرجان زرکالی کو بغداد بھیجا جہاں انہوں نے حضرت شیخ عبدالقادر کے ہاں علوم فقہ اور سلوک زہد اور علوم ارادت کی تکمیل کی غرض سے مدرسہ قادریہ میں بھیجتے تھے۔ [بہجۃ الاسرار ۱۰۷]

دوم: تعلیم فقہ اور سلوک زہد کے مابین ربط کے نتیجے میں فقہا کی مخالفت کم بلکہ ختم ہوگئی۔ طرفین میں تعاون شروع ہو گیا، فقہا، فقہ اور زہد کو جمع کرنے لگے اور اسے شریعت وطریقت کی تکمیل کا نام دے دیا۔

سوم: تصوف اپنی گوشہ نشینی سے باہر آیا، جس حالت میں وہ اس سے پہلے تھا، عالم اسلامی کو درپیش چیلنجوں کا سامنا کرنے میں حصہ لینے لگا، سلطان نورالدین زنگی اور بغداد حران، کوہ ہکار اور دمشق کے مدارس کے شیوخ کے درمیان رابطے مستحکم ہوگئے، بعد ازاں ان مدارس نے نورالدین اور صلاح الدین کے ساتھ کام کرنے کی دعوت دی، یہ تعاون جاری رہا جبکہ دونوں سلطان نے ان مدارس زہد اور رباط پر غیر معمولی عنایات کیں، ان کی جدید شاخیں قائم کیں اور ان پر اوقاف وقف کئے، دوسری طرف ان مدارس نے اپنی ذمہ داریاں اٹھائیں اور جہادی معنوی قیادت میں ان کا کردار نہایت فعال اور کامیاب رہا۔ [عہد ایوبی کی نسل نو ۲۱۹]

تقریر وخطاب

قدیم زمانے سے خوابیدہ قوم کو جگانے اور مردہ دلوں میں جوش وولولہ پیدا کرنے کے لئے تقریر وخطاب کا سہارا لینے کا رواج رہا ہے۔ تصنیف وتالیف اور تحریر بلاشبہ دائمی چیزیں ہیں لیکن فوری طور پر قلب واذہان کو ایک سمت سے دوسری سمت کی طرف موڑنے کا سہل ترین ذریعہ تقریر وخطاب ہے۔

آج جس طرح تقریر سننے کے لئے جلسے وکانفرنس کا اہتمام ہوتا ہے، پانچویں صدی ہجری میں بھی اسی طرح جلسے ہوتے تھے، خطباء مدعو کئے جاتے ان کا شاندار استقبال کیا جاتا لوگوں کی بھیڑ جمع ہوتی اور خطیب اپنی خطابت کا جادو جگاتا۔

اس زمانے کے ایک مشہور خطیب وواعظ حضرت امام ابن جوزی ہیں انہیں بغداد کے علاقہ عربیہ میں نصف شعبان یعنی شب برات میں خطاب کے لئے بلایا گیا جب ان کی آمد ہوئی تو کس شان سے ان کا استقبال کیا گیا خود بیان کرتے ہیں۔

''بغداد بدل کررہ گیا اور نصف شعبان کو اس کے اہالیان نے بڑی تعداد میں دریا عبور کیا، میں نے اسے باب بصرہ کی طرف سے عبور کیا اور مغرب کے بعد اس جانب داخل ہوا، اس کے باشندوں نے لاتعداد شمعوں کے ساتھ میرا استقبال کیا، ان میں سے بڑی تعداد میں لوگ مرے ساتھ ہولئے۔ بصرہ میں باب بصرہ سے نکلا تو میں نے دیکھا کہ اہالیان حربیہ نے بے شمار مشعلوں کے ساتھ استقبال کو آئے ہوئے ہیں یہ شمعیں باب بصرہ کے شمعوں سے مل گئیں اور ان کی تعداد ہزار تک پہنچ گئی میں نے ساری مخلوق کو روشنی سے معمور دیکھا، مرد، عورتیں اور بچے گھروں سے نکل کر اس کا نظارہ کر رہے تھے، لوگوں کا ہجوم ایسا تھا جیسا کہ بقیہ ص ۴۹ پر

بقیہ ص ۴۸ رکا

خداوند عالم کی قربت کا باعث
ہے ان کی وصیت، یہ کہتے رہیں گے
ہے تجدیدی کارِ نمایاں پہ ان کے
جہاں محوِ حیرت، یہ کہتے رہیں گے
ہر اک شعر پہ ان کے قربان و سرشار
ہے عشقِ رسالت، یہ کہتے رہیں گے
فقیہانہ طرزِ نگارش پہ ان کی
ہے قرباں فقاہت، یہ کہتے رہیں گے
ہوئے ان سے سنگین تر مسئلے حل
ہیں وہ رشکِ حکمت، یہ کہتے رہیں گے
ہے ہر فتویٰ ان کا دلیلوں سے لبریز
ہے یہ علمی وسعت، یہ کہتے رہیں گے
ہیں ہم خوش عقیدہ، ہیں ہم اہلِ ایماں
ہے سب ان کی برکت، یہ کہتے رہیں گے
تھی مقبولیت ان کی ہے اور رہے گی
ہیں وہ رب کی رحمت، یہ کہتے رہیں گے
نہیں چاہتے کوئی قائد کہ ان کی
ہے جاری قیادت، یہ کہتے رہیں گے
بریلی سے رکھتے ہیں ہم خود کو منسوب
ہے کافی یہ نسبت، یہ کہتے رہیں گے
یہ جو صلح کلی بنے پھر رہے ہیں
ہے ان کی ضلالت، یہ کہتے رہیں گے
جو رکھتا ہے بیر ان کی فکر و نظر سے
نہیں اس کی وقعت، یہ کہتے رہیں گے
لڑاتے ہی رہنا سدا سنیوں کو
ہے شیطان کی فطرت، یہ کہتے رہیں گے
خلاف ان کے مسلک کے کرنا جسارت
ہے حق سے بغاوت، یہ کہتے رہیں گے
جو ان کا نہیں وہ نہیں مصطفےٰ کا
یہی ہے حقیقت، یہ کہتے رہیں گے
کرے اعتراض ان کے فتوئے پہ جو شخص
ہے اس کی جہالت، یہ کہتے رہیں گے
زباں پہ رضا اور دل میں کدورت
ہے مذموم حرکت، یہ کہتے رہیں گے
جو حاسد رضا کے ہیں ان کو ہمیشہ
اٹھانی ہے ذلت، یہ کہتے رہیں گے
رہیں باز فتنوں سے آئے گی ورنہ
بہت جلد شامت، یہ کہتے رہیں گے
سوا اس کے توبہ کریں ان کے در پر
نہیں کوئی صورت، یہ کہتے رہیں گے
قیامت تک دیکھنا ان کا مسلک
رہے گی سلامت، یہ کہتے رہیں گے
ہمیں موت دے رب تو مسلک پر ان کے
ہے دل کی حسرت، یہ کہتے رہیں گے
ہے ہر حرف ان کی کتابوں کا قدسی
ہے عینِ شریعت، یہ کہتے رہیں گے

ص ۵۷ رکا بقیہ

مدرسہ کمیٹی نے بصد اصرار آپ کو اس بات کے لیے راضی کر لیا کہ جس طرح آپ پچھلے پچاس سالوں سے ہم سب کی رہنمائی فرماتے رہے اسی طرح مستقبل میں بھی رہنمائی فرماتے رہیں گے، جب آپ ریٹائرڈ ہوئے تھے، اس وقت آپ کی گورنمنٹی تنخواہ ۹۲ ۴۷ ر روپیے تھی، کمیٹی نے ساڑھے سات ہزار روپے مشاہرہ پر آپ کو بحال رکھا، اب تک آپ صدر المدرسین کے منصب پر فائز تھے، ریٹائر ہونے کے بعد سربراہ کے منصب کی ذمہ داری سونپی گئی، جب آئے تھے بڑہریا تو وہاں ایک مکتب تھا لیکن جب رخصت ہوئے تو قوم کے نونہالوں کے لیے ایک عظیم الشان تین منزلہ بلڈنگ قوم کو دے کر گئے، ایک وسیع وعریض مسجد تعمیر کرا کر گئے، رضا لائبریری کے نام سے ایک ایسی لائبریری طلبہ کو دے کر گئے جس میں کم از کم دس لاکھ روپے کی کتابیں موجود ہیں، ایک کمپیوٹر سنٹر ملت کے نونہالوں کے لیے چھوڑ کر گئے۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

■■■

از: مولانا انیس عالم سیوانی

ضیغم اہل سنت علامہ عبد العزیز خان علیہ الرحمہ! حیات وخدمات

وصال ۱۷ رجب المرجب ۱۴۳۸ھ بروز شنبہ مطابق ۱۵ اپریل ۲۰۱۷ء دوپہر ۱۲ بج کر ۵۵ منٹ

جماعت اہل سنت کے زبردست عالم، ملت اسلامیہ کے پر خلوص قائد ورہنما، مسلک اعلیٰ حضرت کے مخلص داعی وخطیب، سنیت کے پاسبان، بے مثال خطیب، حق گوئی وبے باکی کی چلتی پھرتی تصویر، ضیغم اہل سنت حضرت علامہ الحاج عبد العزیز خان صاحب حشمتی علیہ الرحمۃ بہار سنیت کے ایسے مرد میدان تھے کہ ان کے نام سے وہابیت تھراتی تھی اور دیوبندیت کا کلیجہ شق ہوتا تھا، نیچریت کے پرستار اور صلح کل کے حامی کانپتے تھے، وہ مسلک حق وصداقت کے امین اور اسلاف کی سنتوں کے وارث تھے، انہوں نے علم اور وقار کا کبھی سودا نہیں کیا، منہ دیکھ کر بات نہ کی، کسی عزت دار کی عزت اور سرمایہ دار کے اثر ورسوخ کے سامنے سر نہ جھکایا، ظاہری ٹھاٹ باٹھ کو کبھی اپنی ذات سے نہ جوڑا، سادگی میں جو جلال اور رعب تھا کہ جہاں داروں کو سر جھکانے پر مجبور کر دیتا تھا، اہل سنت کو ان پہ ناز تھا، وہ سنیوں کی شان تھے، وہ بریلی والوں کی پہچان تھے، وہ حافظ ملت کے کردار وعمل کے محافظ تھے، شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی لکھنوی کے تصلب فی الدین کا نمونہ تھے، وہ حشمتی تھے فسادی نہیں تھے، تصلب کے نام پر اپنے علما اور مشائخ کو گالیاں نہیں دیتے تھے، مصباحی تھے مگر صلح کلی نہیں تھے، کسی رام بھگوان کے نام کا وہ جلسہ نہیں کرتے تھے، ہاں اور وہ جلسہ کراتے بھی تھے اور کرتے بھی تھے مگر وہ جلسہ میلاد النبی ﷺ، معراج النبی ﷺ کا ہوا کرتا تھا، نبی کی تعریف کرتے، نبی کے غلاموں کی تعریف کرتے، اپنے بڑوں کا اتنا احترام کرتے تھے کہ جس کی امید دوسروں سے نہیں کی جا سکتی، چھوٹوں کو نوازتے تھے اتنا کہ دیکھنے والا رشک کرے، سنت کبیر نگر یوپی کے رہنے والے تھے، لیکن ابھرتی ہوئی جوانی سے لے کر آخری عمر تک وہ سیوان میں رہے، وطن سنت کبیر نگر تھا مگر مدفن بڑھریا ضلع سیوان بنا،

پورے سارن (چھپرہ، سیوان، گوپال گنج) میں ان کی ایک شناخت تھی، بعض لوگ بڑے مولانا صاحب کہتے تھے، اہل علم ضیغم اہلسنت (اہل سنت کا شیر) کہتے تھے اور عام طور پر مولانا عبد العزیز خاں حشمتی کے نام سے پکارے جاتے تھے، بہت قریبی لوگ خان صاحب بھی کہتے تھے، ان کے انتقال کے بعد کچھ جدید فکر کے لوگ ان کی اصل پہچان کو چھپا کر ان کی شناخت ایسے لفظ سے کرا رہے ہیں کہ جس کی حیثیت پیوند سے زیادہ نہیں ہے۔

حضرت مولانا عبد العزیز خان صاحب سیوان اور گوپال گنج کے مسلمانوں کے لیے مرکزی حیثیت رکھتے تھے، عوام وخواص کے نزدیک ان کو جو اہمیت حاصل تھی وہ بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے وہ بھی اس جگہ جہاں ایک شخص نے اپنی زندگی کے بیشتر اوقات گزارے ہوں، کبھی کسی سے یہ نہ سنا گیا کہ خان صاحب نے مسلک کے بارے مداہنت برتی نہ آپ پر کسی حرص وطمع کا الزام عائد کیا، نہ کسی نے یہ کہا کہ مدرسہ کو وہ اپنے ذاتی مقصد ومفاد کے لیے استعمال کرتے ہیں، ان کا اخلاق، ان کا کردار، ان کا خلوص، ان کے عزائم، ان کی جرأت وہمت، ان کا تصلب فی الدین، ان کا مجاہدانہ کردار اپنے آپ میں بے مثال تھا، علمائے اہل سنت کی مجالس ومحافل میں وہ سیوان کی نمائندگی فرماتے، سارن کا شاید ہی کوئی اہم دینی پروگرام ہو جس میں آپ کی سرپرستی یا صدارت نہ ہوتی ہو، خود ہمارے علاقے کے تقریباً بیشتر اجلاس میں آپ کی شرکت ہوتی تھی، چھوٹے سے بڑے سب آپ کی قدر کرتے تھے، ہم سب پر وہ اتنے مہربان تھے کہ گھریلو انفرادی محافل میں بھی شرکت فرماتے، شادی بیاہ کی تقریبات میں تشریف لے آتے، انتقال سے چند ماہ پیشتر میرے چچازاد بھائی مولانا شاہ عالم ازہری کے عقد مسنون کے موقع پر میلاد شریف میں خطاب فرمایا، بارات

میں شرکت فرمائی، یہ کرم فرمائی صرف ہم جیسوں کے لیے خاص نہ تھی بلکہ کوئی غریب وامیر دعوت دیتا اگر خالی ہوتے تو وعدہ فرماتے اور شرکت کرتے اور اگر تاریخ خالی نہ ہوتی تو خواہ کوئی بھی دعوت دیتا صاف صاف کہتے کہ دیکھئے میں نے فلاں سے وعدہ کرلیا ہے میں آپ کے یہاں نہیں شرکت کر پاؤں گا یہ نہیں کہ کوئی اثر دار آدمی آ گیا یا بڑا پروگرام ہے تو آپ کسی کی دعوت رد کر کے وہاں چلے جائیں ایسا نہیں کرتے تھے، زندگی بھر موٹر سائیکل سے دورہ کیے، آخری دنوں میں جب بیمار رہنے لگے یہاں تک کہ اٹیک پڑا پھر بھی معمول میں کوئی فرق نہ آیا، وہی موٹر سائیکل کی سواری، ایک موقع پر میرے برادر مکرم مولانا کوثر امام قادری صاحب نے کہا کہ اب آپ فوروہیلر سے چلا کریں تو مسکراتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے لیے یہی ٹھیک ہے اگر فوروہیلر سے جائیں گے تو اس کا خرچ بھی جلسہ والوں کو برداشت کرنا پڑیگا۔

گفتگو میں بڑا ٹھہراؤ تھا، خواہ مجلسی گفتگو ہو یا خطاب، پوری متانت اور سنجیدگی کے ساتھ بولتے، بڑے بڑے جلسوں میں آپ کے کلیدی خطبات اتنے اہم اور مؤثر ہوتے کہ اہل فہم وبصیرت کے نزدیک آپ کے افتتاحی کلمات حاصل جلسہ گفتگو کا درجہ رکھتے، ہمارے یہاں تقریر کا مطلب جبہ ودستار، اونچی ٹوپی، چیخ وپکار، شور ہنگامہ، قصے، لطائف، کود پھاند، جو مقرر جتنا چلائے، دوران تقریر نعت ومنقبت کے اشعار گالے، فضول کی بے سروپا باتیں کر لے وہی کامیاب مقرر ہے، جاہل عوام تو جاہل ہی ہے بعض اہل مدرسہ بھی دستار بندی کے جلسوں میں ایسے ہی لوگوں کو کامیاب اور خصوصی خطیب کا درجہ دیتے ہیں، لیکن میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ مولانا عبدالعزیز خان حشمتی کی تقریروں میں جو اعتماد، وثوق، منطقی طرز استدلال ہوتا تھا وہ شاید باید کہیں اور ملے، وہ میرے استاذ نہیں تھے نہ میں ان کے مدرسے کا طالب رہا لیکن شروع ہی سے ان کی محبت اور ان کا احترام میرے دل میں رہا، سیوان شہر میں معمار قوم وملت مولانا شبیہ القادری صاحب اور بڑھریا کی سرزمین پر خان صاحب کی خدمات کو میں قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ سیوان، چھپرہ، گوپال گنج کے اطراف وجوانب میں جس قدر مولانا، حافظ وقاری، امام اور مدارس ومکاتب نظر آ رہے ہیں ان سب پر کسی نہ کسی صورت ان دو شخصیتوں کا احسان ہے، کئی دفعہ مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ نئی نسل اپنے بزرگوں اور اساتذہ سے دور ہو رہی ہے، نئے فارغین اپنے بڑوں کی ناقدری کو نشان امتیاز سمجھنے کی غلطی کر رہے ہیں، یہ چیز مجھے حضرت علامہ عبدالعزیز خان صاحب حشمتی اور علامہ شبیہ القادری صاحب کے ساتھ نظر آئی، میں اکثر اپنے ملنے والوں کو کہتا ہوں کہ دین کی بہاریں، سنیت کا لہلہاتا ہوا چمن اور مسلک اعلیٰ حضرت کی باد بہاری ہمارے مشائخ، اساتذہ اور بزرگوں کی کارگزاریوں کا ثمرہ ہیں، ہم اپنے بڑوں سے الگ ہو کر بڑا نہیں بن سکتے، اپنے بزرگوں پر تنقید کر کے اہل سنت کو فروغ تو نہیں دے سکتے، ہاں! ملت کو فرقوں اور فتنوں میں ضرور مبتلا کر دیں گے۔

حضرت علامہ عبدالعزیز خان صاحب نے جامعہ شمسیہ تیغیہ بڑھریا کو اپنا خون جگر دیا، دن کو دن اور رات کو رات نہیں سمجھا، بہار کی سرزمین پر مدرسہ چلانا کوئی معمولی بات نہیں، بہار میں مدرسوں کی کمی نہیں لیکن بڑھریا مدرسہ جس شان سے چلا اس کی مثال کم از کم بہار میں تو شاید ہی ملے، آج سے بیس پچیس سال پہلے ڈھائی تین سو طلبہ دارالاقامہ میں رہتے تھے، درجہ حفظ اور نظامیہ کی معیاری تعلیم ہوتی تھی، اساتذہ کی ایک مضبوط ٹیم تھی جس کے قائد وامیر علامہ عبدالعزیز خاں تھے، درسگاہ سے لے کر جلسہ گاہ تک، مدرسہ سے لے کر دور دراز علاقوں تک طوطی بولتی تھی، بڑے بڑے غنڈے موالی اور مافیا بھی آپ کا سامنا کرنے سے کتراتے تھے، مولانا عبدالعزیز خان زندگی بھر رد وہابیہ کرتے رہے، وہ حق کے طرف داروں کے امیر اور کاروان اہل سنت کے علمبردار تھے، وہ ایسے بیٹے تھے جس پر ماں باپ ہی کو نہیں پورے خاندان کو فخر ہوتا ہے، وہ ایسے شاگرد تھے کہ جس پر اساتذہ کو ناز ہوتا ہے، وہ ایسے استاذ اور مربی تھے کہ جس پر اہل محبت کو اعتماد اور یقین ہوتا ہے، وہ ایسے مرید تھے کہ جس پر پیر کا فیض جاری رہتا ہے۔

مولانا عبدالعزیز خان اتر پردیش کے پروانچل کے سنت کبیر نگر، تھانہ، دودھارا، موضع، اگیا میں ۴؍اپریل ۱۹۴۲ء جناب

محمد نعیم خان کے گھر پیدا ہوئے، شعبانی دادی نام کی مشہور معلمہ نے بسم اللہ خوانی کرائی، ناظرہ قرآن اور ابتدائی اردو کی تعلیم معلمہ صاحبہ سے حاصل کی، اگیا چھاتا کے مکتب میں درجہ پانچ تک کی پڑھائی کی، ۱۹۵۴ء میں اہل سنت کی عظیم درس گاہ تدریس الاسلام بسڈیلہ میں علامہ اعجاز احمد ادروی (بڑے مولانا صاحب) علامہ کاظم علی عزیزی خلیل آبادی، علامہ سخاوت علی اور علامہ عبد الشکور گیاوی سے درس لیا، ۱۹۶۰ء میں عظیم دینی درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لیا، مبارکپور کے قابل فخر اساتذہ کی بارگاہوں میں زانوئے ادب تہ کیا اور اپنے بزرگوں کے فیضان سے خوب خوب مالامال ہوئے، مبارکپور میں آپ نے حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز مبارکپوری، استاذ الاساتذہ، ناشر فتاویٰ رضویہ علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی، بحر العلوم والمعارف علامہ مفتی عبد المنان صاحب اعظمی، قاضی شریعت علامہ قاضی محمد شفیع صاحب مبارک پوری، استاذ القراء علامہ قاری محمد یحییٰ صاحب مبارک پوری وغیرہم سے آپ نے اکتساب فیض کیا۔

۱۹۶۴ء یا ۱۹۶۵ء میں جامعہ اشرفیہ سے فارغ ہوئے، حافظ ملت کے حکم پر سیوان مدرسہ شمسیہ تیغیہ انوار العلوم بڑہریا آئے، ۱۹۶۴ء میں یہ مدرسہ قائم ہوا تھا، مدرسہ کیا تھا بس نام تھا مدرسے کا، نہ رہنے کی جگہ، نہ کھانے کا معقول انتظام، کبھی کھایا کبھی فاقہ کرلیا، کبھی کبھار خرچہ گھر سے منگالیا، صبر وشکر کی جن وادیوں سے آپ کو گزرنا پڑا ہے وہ جدید نسل کے لیے نمونہ عمل ہے، بڑہریا جب آپ کی آمد ہوئی تھی، مدرسہ برائے نام تھا، شاید جھونپڑی رہی ہو حالانکہ آپ ایک باحیثیت اور متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، دین وسنیت کی خاطر نہ معلوم کن کن مصائب سے دوچار ہونا پڑا لیکن زبان پر حرف شکایت نہ آیا، پریشانیوں میں خوش رہنا، مشکل گھڑیوں میں مسکرانا، تذبذب کے ماحول میں اپنے آپ کو محفوظ رکھنا ضیغم اہل سنت جیسے لوگوں کا کام ہے، مولانا عبد العزیز خان کی زندگی کا یہ ایک تاریخی باب ہے کہ فراغت سے لے کر انتقال تک ایک ہی مدرسہ سے آپ متعلق رہے، بعض لوگ تو ہر سال ہی مدرسہ بدل دیتے ہیں، کوئی اس لیے مدرسہ بدل دیتا ہے کہ دوسری جگہ سو پچاس روپے بڑھ کر تنخواہ مل رہی ہوتی ہے، کوئی اس لیے نیا مدرسہ تلاش کرتا ہے کہ وہاں اس کے من کا کھانا ملے گا، کوئی اس لیے مدرسہ چھوڑ دیتا ہے کہ کمیٹی اور اس کی انا کے درمیان اتحاد ممکن نہیں ہوتا لیکن سوچئے ایک شخص ایسی جگہ آیا جہاں نہ رہنے کا انتظام، نہ کھانے کا معقول بندوبست، نہ طلبہ کی جماعت، نہ وہ جگہ شہر تھی، لیکن پھر بھی وہ ڈٹا رہا، اڑا رہا، اسے ایک دُھن سوار تھا، اس کے پیش نظر ایک مقصد عظیم تھا، وہ کچھ کرنا چاہتا تھا، وہ اکیلا آیا تھا، لیکن جب رخصت ہو رہا تھا تو اس کے پیچھے ایک جماعت تھی، ایک بھیڑ تھی، اہل محبت کا ازدحام تھا، ایسا لگ رہا تھا کہ بڑھریا اور اطراف کے تمام گاؤں اور محلوں کے ہر گھر سے جنازہ اٹھ رہا ہے، آنکھیں اشکبار تھیں، دل ملول تھے، عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے اٹھے، ان کے جانے کا غم ان کے برادران، اہل خانہ ان کے فرزندان بالخصوص ان کے جانشین مولانا عقیل خان کو کتنا ہوا ہوگا اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، حافظ عبد العزیز صاحب، علامہ عالمگیر صاحب، مولانا افتخار بیدم صاحب، مولانا ہارون صاحبان کے اوپر کیا گزری ہوگی اسے تو وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں، مگر میں اتنا جانتا ہوں کہ وہ کیا گئے کہ محفل سونی ہوگئی۔ ع

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

وہ آئے تھے اس وقت مدرسہ شمسیہ قائم ہوا تھا، صوفی محمد شریف صاحب ساکن پچھم محلہ بڑہریا نے ۱۷/مارچ ۱۹۶۴ء میں مدرسہ شمسیہ تیغیہ انوار العلوم بڑہریا کی بنا ڈالی، اور ۶/ذو الحج ۱۳۸۴ھ مطابق ۶/اپریل ۱۹۶۵ء کو سو روپے ماہانہ پر مولانا عبد العزیز خان کی تقرری عمل میں آئی، تھوڑے ہی عرصہ بعد بانی ادارہ صوفی محمد شریف صاحب مورخہ ۲۸/اگست ۱۹۶۵ء کو مدرسہ سے سبکدوش ہوگئے، اس کے بعد سے تمام تر ذمہ داریاں ضیغم اہل سنت کے کاندھوں پر آگئیں، ۱۹۶۵ء سے لے کر ۲۰۱۷ء تک آپ بڑہریا میں رہے بلکہ اہل بڑہریا کی محبت اور آپ سے لگاؤ ایسا کہ مدرسہ بورڈ کی سروس سے جب آپ ۳۰/جون ۲۰۰۷ء کو ریٹائرڈ ہوئے تو لگا کہ اب آپ چلے جائیں گے لیکن علاقہ کے سر برآوردہ لوگوں نے اس بات کو گوارہ نہیں کیا، بقیہ ص ۵۴ پر

مذہب ومسلک کا ترجمان ماہنامہ سنی دنیا

حضرت شہزادۂ گرامی حضور تاج الشریعہ ومدیر اعلیٰ ماہنامہ سنی دنیا، بریلی شریف سلام ورحمت

ماہنامہ سنی دنیا دور طالب علمی سے ہی زیر مطالعہ ہے، تمام مشمولات کا مذہب ومسلک کا ترجمان پاکر بڑی خوشی ہوتی ہے، مضامین میں مضمون نگار کی قابلیت سے کہیں زیادہ ان کے دینی خلوص اور احقاق واثبات اور تبلیغ وارشاد پاکر کامل اطمینان رہتا ہے، رسالہ کے جملہ مندرجات وقت اور حالات کے تحت ہیں جو ماہنامہ کی اہمیت وافادیت اور حضرت مدیر اعلیٰ کی فکری قابلیت کی گواہی دیتے ہیں، خوانندہ دل ودماغ روشن ہوا، ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی کی تحریریں سبھوں کی طرح فقیر بھی دلچسپی سے پڑھا کرتا ہے، تحقیقی اور معلوماتی ہونے کے سبب پہلی ہی نشست کافی رہتی ہے، علامہ موصوف کی تحریر حسام الحرمین پر علمائے ممبئی کی تصدیق زبردست ہے، ایسی تحریریں معاندین، حاسدین اور صلح کلیوں کے لئے یقیناً چشم کشاں ہیں۔

حضرت علامہ کی تلاش وجستجو قابل صد مبارکباد ہے اور لائق عمل بھی، موصوف کا ذوق مطالعہ اور اشاعت مسلک کا جذبہ روز افزوں ہوں، رب قدیر انہیں کامل صلہ عطا فرمائے، میری گزارش اور خواہش ہے کہ ڈاکٹر صاحب اپنے اوقات میں سے قیمتی وقت نکال کر اس حوالے سے ایک مبسوط کتاب قوم وملت کو عطا کریں، جس میں ان کتابوں کے اقتباسات ومصنفوں اور ان کے افکار و حالات درج ہوں تو پھر انشاء اللہ الرحمٰن یہ باتیں عام ہو جائیں گی کہ یہ تردیدی قلمی کاوشیں محض علمائے بریلی کی ہی نہیں بلکہ بریلوی کہے جانے والے جہاں بھر کے اہل اسلام کی ہیں، مدیر رسالہ مولانا نشتر فاروقی صاحب دوسرے شرکائے کارواں کو سلام فقط

محمد محبوب عالم قادری

خادم الطلبہ مدرسہ رشید العلوم سریاں، بنارس

اسٹیجوں پر نعرۂ تکبیر ورسالت کا مقصد

آج کل رواج ہے کہ اسٹیجوں پر شعراء ومقررین اور پیران عظام کا استقبال نعرۂ تکبیر ونعرۂ رسالت سے کیا جاتا ہے، آپ نے کبھی سوچا کہ کسی شخصیت کا استقبال نعرۂ تکبیر ورسالت سے کیوں کیا جاتا ہے؟ اور اللہ اکبر کی صدا بلند کر کے کسی شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرنے میں کیا مناسبت ہے؟ ظاہر ہے اگر یہ عمل کسی معقول وجہ کے بغیر ہے تو اس کا ترک ضروری ہے، کیوں کہ کسی شخص مخصوص کی عوامی رونمائی پر اللہ اکبر اور یارسول اللہ کا نعرہ مناسب نہیں اور اگر کوئی وجہ ہے، تو کیا یہ وجہ ہے کہ جب کوئی شخص ''شخصیت'' بن جائے، ایسی شخصیت کہ اس سے نظریاتی یا عملی طور پر اسلام کی سربلندی کا کام ہوا ہو، ایسا کام جو پورے اسلام کے حق میں ہو یا عالمی یا ملکی سطح پر مسلمانوں کی تائید وحمایت میں ہو تو اس کو دیکھ کر اللہ اکبر کی صدا بلند کرنا، اس بات کا اعلان کرنا ہے کہ اگرچہ یہ شخصیت اپنے آپ میں بہت عظیم ہے، اس نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں، مگر اللہ کی ذات ہر شئے سے بلند وبرتر ہے، اس شخص کو چاہئے کہ خود کو عظمت کے مینار پر نہ بٹھائے، کیوں کہ جو کام اس کی ذات سے ہوا ہے، اللہ چاہتا تو کسی سے بھی وہ کام لے لیتا، یہ اس کی خوش نصیبی ہے کہ قدرت نے اسے چنا۔

اس تاویل کے لحاظ سے مطلب یہ ہوا کہ نعرۂ تکبیر دراصل اس ہستی کے لئے ایک خاموش تنبیہ ہے کہ کوئی بھی عام انسان کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو، اس کی عظمت، عظمت الٰہی کی تجلی ہے، اس لئے اسے کبر وغرور میں نہیں مبتلا ہونا چاہئے اور سامعین کے لئے اس بات کی تنبیہ ہے کہ صاحب عظمت کو دیکھ کر اللہ کی کبریائی بیان کرنا چاہئے اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ اکبر من کل شی، کائنات میں جو کچھ ہے، سب اسی کا فضل وکرم اور اسی کی بخشش ہے، سب اس کے محتاج اور نیازمند ہیں اور وہ بے نیاز ہے، یا اس بات کا اعلان کرنا ہے کہ ''سامعین وناظرین جس ہستی کے دیدار یا خطاب سے مشرف ہو رہے ہیں، اس کی ذات اسلام کی شان اور مسلمانوں کے لئے نعمت عظمیٰ ہے، اس لئے اس نعمت سے سرفرازی پر اللہ کی بزرگی بیان کی جائے، جس نے ''اپنی نعمت'' کے فیض سے سب کو مستفیض ہونے کا موقع عنایت کیا۔''

کسی کے استقبال پر نعرۂ تکبیر بلند کرنے کی کوئی اور تاویل میرے پاس نہیں ہے، اس توجیہ کے بعد یہ بتانے بقیہ ص ۸ پر

RNI No. UPMUL/2017/71926
Postal Regd. No. UP/BR-34/2017-19

DECEMBER - 2017
PAGES 60 WITH COVER

PER COPY : ₹20.00
PER YEAR : 250.00

MAHNAMA SUNNI DUNIYA

Printer, Publisher & Owner Asjad Raza Khan, Printed at Faiza Printers, Bara Bazar, Bareilly
Published at 82, Saudagran, Dargah Aala Hazrat, Bareilly Sharif (U.P.) PIN : 243003, Editor Asjad Raza Khan

HADEETH SHAREEF

Hazrat Abdullah Ibn Amr (Radiyallahu Anhu) said: I was told that Allah's Massenger (Sallallahu Alaihi Wa Sallam) had said, "Prayer" engaged in by a man while sitting counts as half the prayer, so I went to him sitting counts as half the prayer, so I went to him and I found him praying while sitting, and I put my hand on his head. He said, "What is the matter with you, Abdullah Ibn Amr?" I replaced: "I have been told, Massenger, of Allah (Sallallahu Alaihi Wa Sallam), that you said that prayer engaged in by a man while sitting counts as half the prayer, Yet you yourself are praying while sitting. "He said, "He said, "Yes, but I am not like one of you."

(Muslim Sharif)